نہیں!

ابو اسحٰق نے کبھی تمہیں وزیر اعظم کے سامنے پیش کر کے تمہارے سروں پر لکھی ہوئی تحریر دکھائی ؟

نہیں۔ ہمیں سوائے اس دن کے جب کہ آپ وہاں موجود تھے، کبھی ان کے سامنے پیش نہیں کیا گیا۔

طاہر کے دل کا بوجھ ہلکا ہو رہا تھا۔ کم از کم اسے یہ اطمینان تھا کہ وزیر اعظم اس سازش میں شریک نہیں اور یہ سازش وزیر اعظم کی لاعلمی میں وزیر خارجہ کی طرف سے ہو رہی تھی اور وزیر اعظم کے اصطبل کا داروغہ اس کا آلہ کار تھا۔ رُخصت کے وقت اُسے وزیر اعظم نے کہا تھا کہ میں باہر سے کوئی آدمی بھیجنے کی بجائے اپنے نوکروں میں سے دو تین آدمی آپ کو دے رہا ہوں۔ وحید الدین کی پہلی سازش پکڑی جا چکی تھی لیکن رفو چکر ہونے سے پہلے دوسری سازش کا مسودہ تیار کر چکا تھا۔ طاہر خلیفہ کے متلعق بھی اپنے دل کو یہ تسلی دے رہا تھا کہ اسے بھی وزیر اعظم کی طرح اس سازش کا کوئی علم نہیں۔ لیکن اس کے ذہن میں تصویر کا دوسرا رخ بھی تھا اور وہ جس قدر سوچتا تھا، اسی قدر پریشان ہوتا تھا۔ جب خوش فہمی بدگمانی میں تبدیل ہونے لگتی تو وہ یہ سوچتا۔ ممکن ہے کہ یہ سب کچھ وزیر اعظم کے ایما پر ہوا ہو اور اس نے احتیاط ان لوگوں کو اپنوں سے دور رکھا ہوتا کہ اگر یہ پہلے ایلچی کی طرح پکڑے جائیں تو کوئی ایسا ثبوت نہ دے سکیں جس سے وزیر اعظم کی اس سازش میں شرکت ثابت کی جا سکے لیکن اس کے دل کی فیاضی وزیر اعظم کے خلاف ایسے شبہات کی تردید کر دیتی۔ اس نے پھر کمال سے پوچھا، کیا اس دوران میں تم نے کبھی خلیفہ سے ملاقات کی!

نہیں

اس شام تمھیں چنگیز خان کے سامنے پیش کیا گیا تھا؟

ہاں ۔ابو اسحق ہمیں چنگیز خان کے مسلمان ملازم کے پاس لے گیا اور اس نے سر منڈوانے کے بعد ہمیں چنگیز خان کے سامنے پیش کر دیا ۔

تم نے جمیل اور ابو اسحق کے سر پر لکھی ہوئی تحریر پڑھی ہو گی؟

جمیل کے سر پر اس تحریر کا فارسی ترجمہ ہے اور ابو اسحق کے سر پر چینی زبان میں کچھ لکھا ہوا ہے وہ بھی شاید اسی کا ترجمہ ہے ۔

طاہر نے کہا۔تم چلو، میں تمھارے پیچھے پیچھے آتا ہوں لیکن اگر ابو اسحق پر کوئی بات ظاہر کرنے یا بھاگنے کی کوشش کی تو تمھارے لیے بہت بُرا ہو گا!

کمال کوئی بات کہے بغیر طاہر کے آگے چل دیا۔

طاہر ایک گہری سوچ میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا حاکم شہر کے محل میں داخل ہوا ۔اپنے کمرے کی بجائے وہ دوسرے کمرے کے دروازے پر جہاں اس کے ساتھی ٹھہرائے گئے تھے، رک گیا۔ دروازے کا ایک کواڑ بند اور ایک کھلا تھا۔کمال طاہر کا اشارہ پا کر اندر داخل ہوا تو ابو اسحق نے چلا کر کہا۔تم بہت بے وقوف ہو۔ہم نے سارا شہر چھان مارا۔آخر کہاں تھے تم؟

کمال نے سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا۔میں یہیں تھا۔

تم نے طاہر کو دیکھا؟

طاہر کو۔۔۔کیا وہ یہاں نہیں ہے؟

تم جدھر جی چاہتا ہے منہ اٹھا کر چل دیتے ہو۔اگر ہم پر کوئی مصیبت آئی تو وہ تمھاری وجہ سے ہو گی!

طاہر چپکے سے کمرے میں داخل ہوا۔ابو اسحق نے جلدی سے کہا ہم آپ کے

متعلق باتیں کر رہے تھے۔ آپ کہاں تھے؟ میں بہت پریشان تھا۔

طاہر نے اس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے کہا۔ تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کو صفائی سے اس قدر نفرت کیوں ہے؟ میرے خیال میں ابھی تک تم میں سے کسی نے سر دھو کر وہ سیاہ روغن اُتارنے کی کوشش نہیں کی؟

ابو اسحٰق نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ ہم تاتاریوں کا یہ تحفہ بغداد لے جانا چاہتے ہیں۔ اگر وہاں کوئی تاتاری ملے گا تو بغداد کے باشندوں سے مطالبہ کریں گے کہ اس کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے۔

طاہر نے کہا۔ ذرا اپنی ٹوپی اُتارو۔

ابو اسحٰق نے قدرے تذبذب ظاہر کرنے کے بعد اپنی ٹوپی اُتاری اور پھر جلدی سے اپنے سر پر رکھتے ہوئے کہا۔ میری احتیاط کے باوجود یہ روغن اُتر چکا ہے۔ بغداد میں سیاہ روغن کی کمی نہیں۔ تم یہاں اپنا سر دھو کر صاف کر لو اور بغداد پہنچ کر سر پر تازہ سیاہی مل لینا۔ اور جمیل! ذرا تمھارا سر بھی دیکھوں!

جمیل نے ابو اسحٰق کی طرف دیکھا اور اس کا اشارہ پا کر ٹوپی اُتار کر پھر جلدی سے سر پر رکھ لی۔

طاہر نے کہا۔ کمال! تم بھی شاید اپنا سر نہیں دھویا۔

کمال نے یکے بعد دیگرے ابو اسحٰق، جمیل اور طاہر کی طرف دیکھا اور طاہر کا اشارہ پا کر جھجکتے ہوئے اپنی ٹوپی اُتار دی۔

ابو اسحٰق اور جمیل ایک لمحے کے لیے مبہوت سے ہو کر رہ گئے۔ طاہر نے کہا ابو اسحٰق! کمال کے سر پر شاید کچھ لکھا ہوا ہے۔ ذرا پڑھ کر تو سناؤ!

ابو اسحٰق نے کہا۔ تو آپ سب کچھ جان گئے ہیں؟

طاہر نے کہا۔نہیں ابھی تک تم دونوں کی کھوپڑیاں میری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔

ابواسحٰق اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔اس کا ایک ہاتھ خنجر کے دستے پر تھا۔طاہر نے جلدی سے اپنا خنجر نکالتے ہوئے گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔بیٹھ جاؤ!تمھاری طرف سے کسی جوش وخروش کا مظاہرہ میری یہ رائے نہیں بدل سکے گا کہ غدار بزدل ہوتے ہیں۔

ابواسحٰق اب طاہر کی بجائے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔کمال کی بے حسی اس کے لیے حوصلہ شکن تھی۔جمیل نے چند بار اُٹھنے کی کوشش کی لیکن طاہر کی نگاہوں نے اسے بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔

طاہر نے کہا۔سلطنت خوارزم کے لیے تمھارے سر بہت اہم ہیں۔اگر یہ ضبط کر لیے گئے تو میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ تمھارے باقی دھڑ بغداد پہنچا دیے جائیں گے۔

کمال نے کہا۔لیکن میرے ساتھ آپ کا وعدہ.....

طاہر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔تم خاموش رہو۔

ابواسحٰق نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔آپ اور ہم سب خلیفہ کے خدمت گزار ہیں۔جس نیک نیتی کے ساتھ آپ نے اپنا پورا فرض کیا ہے۔اسی نیک نیتی کے ساتھ ہم نے وہ بغداد پہنچ کر اس جھگڑے کا فیصلہ خلیفہ کو سونپ دیں؟

طاہر نے کہا۔تم جھوٹ کہتے۔خلیفہ تمھاری اور وزیر خارجہ کی سازش میں شریک نہیں۔

کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آپ کی کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے بغداد پہنچ کر خلیفہ سے پوچھ لیں؟اگر ان کی گواہی.....

ابو اسحٰق طاہر کے عقب میں نیم وا دروازے سے باہر کسی کو کھڑا دیکھ کر رُک گیا اور پھر اپنا لہجہ تبدیل کرتے ہوئے کہا۔ آپ خوارزم سے انعام کے لالچ میں ہمیں پھنسا کر خود نہیں بچ سکتے۔۔۔ آپ نے خلیفہ سے انعام حاصل کرنے کے لیے ہمیں اپنے ناپاک مقاصد کا آلہ کار بنایا۔ اب آپ خوارزم کی خاطر ہمیں فروخت کر رہے ہیں۔

کاش ہمیں پہلے یہ علم ہوتا کہ آپ ہماری کھوپڑیوں پر کیا لکھوا رہے ہیں۔ ہمیں آپ نے صرف یہ بتایا کہ ہم بغداد کی بہت بڑی خدمت سر انجام دینے والے ہیں اور ہم اس کے صلے میں مالا مال کر دیے جائیں گے۔

طاہر نے آگے بڑھ کر ابو اسحٰق کے منہ پر ایک گھونسا رسید کرتے ہوئے کہا۔

خاموش! ذلیل انسان تم یہ کس پر ثابت کرنا چاہتے ہو کہ تمھاری ناپاک سازش میں بھی شریک تھا؟

ابو اسحٰق نے سنبھلتے ہوئے جواب دیا۔ تم پر۔۔۔ تم پر جس نے ہمیں پیسوں کا لالچ دے کر ذلت کی انتہا تک پہنچا دیا۔ میں اس شہر کے گورنر کے سامنے جا کر چلاؤں گا کہ یہ مساجد میں تقریریں کرنے والا انسان اپنے وقت کا سب سے بڑا دشمن اسلام ہے۔

طاہر نے کہا۔ تم اس یاوہ گوئی سے مجھے مرعوب نہیں کر سکتے۔ تمھارے جیسے غدار کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے میں اگر خود بھی سولی پر چڑھ جاؤں تو مجھے پروا نہ ہو گی۔

کمرے کا دروازہ کھلا اور شہر کا گورنر چند نوکروں کے ہمراہ اندر داخل ہوا۔

ان سب کو حراست میں لے لو۔ گورنر یہ کہتے ہوئے طاہر سے مخاطب ہوا۔

میں آپ کی گفتگو سُن چکا ہوں۔یقین کیجیے ان سب باتوں کے باوجود مجھے آپ کے متعلق اپنی رائے بدلتے ہوئے دُکھ ہوتا ہے۔تاہم آپ کچھ عرصہ نظر بند رکھنے پر مجبور ہوں۔

طاہر نے کہا۔تو اسحٰق نے اپنا لہجہ آپ کو دروازے کے پیچھے کھڑے دیکھ کر تبدیل کیا تھا۔ مجھے آپ جہاں چاہیں لے جاسکتے ہیں۔لیکن میرے متعلق کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے آپ مجھے کچھ کہنے کا موقع دیں۔

”اگر آپ اپنے ساتھیوں کے الزامات کی تردید کرسکیں تو مجھے یقیناً ایک روحانی مسرت ہوگی۔لیکن ایسے سنگین مقدمے کا فیصلہ فوقند کے حاکم اعلیٰ صادر فرماسکیں گے۔“

(۴)

عامل شہر نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ طاہر کے ساتھیوں کو بیڑیاں پہنا دیں اور طاہر کو ساتھ لے کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

طاہر کا طویل بیان سُننے کے بعد اس نے کمال کو پیش کرنے کا حکم دیا اور اس سے چند سوال پوچھنے کے بعد طاہر سے مخاطب ہوکر کہا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے۔آپ کے بارے میں شبہات بہت حد تک دور ہو چکے ہیں لیکن میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ حاکم اعلیٰ کے احکامات حاصل کیے بغیر میں کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا۔میں آج ہی ان کے پاس اپنا ایلچی روانہ کررہا ہوں۔آپ کے ساتھ اتنی رعایت کرسکتا ہوں کہ آپ کو بیڑیاں نہ پہنائی جائیں لیکن آپ کو قلعے میں نظر بند رکھنے پر مجبور ہوں۔آپ کے ساتھیوں کو ان کے سروں کا معائنہ کرنے کے بعد قید خانے میں بھیجا جائے گا۔

شام کے وقت گورنر کا ایلچی فوقند کے حاکم اعلیٰ کے پاس اس شہر کے عامل کا

پیغام لے کر روانہ ہو چکا تھا۔حاکم شہر نے اپنے مکتوب میں ملزم کی وکالت کے الزام سے بچنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کی معصومیت کا اعتراف کیا تھا۔

قریبا ڈیڑھ ہفتہ کی نظر بندی کے بعد طاہر کو چند سپاہی تلواروں کے پہرے میں عامل شہر کے پاس لے آئے اور اس نے طاہر کو بتایا کہ فوقند کے حاکم اعلیٰ تیمور ملک کا جواب آ گیا ہے۔آپ کو وہاں جانا پڑے گا۔

اور میرے ساتھی؟

حاکم شہر نے جواب دیا۔وہ بہت دور جا چکے ہیں۔

آپ کا مطلب؟

میرا مطلب یہ ہے کہ تیمور ملک نے ان کی بجائے ان کے سروں کا مطالبہ کیا تھا اور میں اس کے حکم کی تعمیل پر مجبور تھا۔

نہیں۔آپ جلد بازی سے کام نہ لیں۔بغداد میں اس سازش کے تمام بانیوں کو پکڑنے کے لیے ان کا زندہ رہنا ضروری ہے۔

میں کہہ چکا ہوں کہ میں اس حکم کی تعمیل کر چکا ہوں

لیکن کمال اور شاید جمیل بھی اس سزا کا مستحق نہ تھا۔

میں ان کے بدلے اپنا سر کٹوانے کو تیار نہ تھا اور اس کے علاوہ آپ کی بھلائی بھی اسی میں تھی۔آپ خواہ مخواہ اپنے ساتھیوں کو صفائی پیش کرنے اور تیمور ملک آنکھوں سے دیکھنے کے بعد کانوں کی تصدیق کی ضرورت محسوس کرنے کا عادی نہیں اور اگر آپ کو یہ خیال ہے کہ کمال آپ کی صفائی پیش کر سکتا تھا تو اس کی کمی میں نے پوری کر دی ہے۔میں نے تیمور ملک کو دوسرا خط لکھ دیا ہے۔

تیمور ملک

علاؤالدین محمد خوارزم شاہ پرلے درجہ کا ضدی اور خودسر حکمران تھا۔خوارزم شمالی اور مشرقی سرحدوں پر تاتاریوں کے اکا دکا حملوں اور لوٹ مار کی خبر سنتے ہی اس نے دولاکھ سپاہیوں کے ساتھ پیش قدمی کا فیصلہ کرلیا۔جلال الدین اس کا ہونہار، ذہین، بہادر اور دوراندیش بیٹا اس تجویز کے خلاف تھا۔اس نے اُمراءِ سلطنت کے اجلاس میں کھڑے ہوکر اپنے باپ سے کہا۔اگر آپ مجھے اپنی فوج کے سپاہی کی حیثیت میں بولنے کا حق دیں تو میں یہ کہوں گا کہ ہمیں افواج سرحد پر جمع کر کے تاتاریوں کی پیش قدمی کا انتظار کرنا چاہیے۔سرحد کے بعض مقامات پر ان کے دستے اگر کبھی کبھی لوٹ مار کر کے بھاگ جاتے ہیں تو اس سے ہمیں اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کمزور ہیں۔ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم اشتعال میں آ کر ان دُشوار گزار برفانی پہاڑوں کی طرف پیش قدمی کردیں جن کی تنگ گھاٹیاں ان کے لیے ناقابل تسخیر قلعوں کا کام دے سکتی ہیں۔میدان میں ہم انھیں خس و خاشاک کی طرح بہالے جائیں گے لیکن پہاڑی علاقے کی طرف پیش قدمی کرنا ہمارے لیے خطرناک ہے۔وہ پیچھے ہٹتے جائیں گے۔اور کسی ایسے مقام پر اچانک ہمارے گرد گھیرا ڈال لیں گے جہاں ہمارے آگے پیچھے تباہی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

تجربہ کار فوجی افسروں نے جلال الدین کی تائید کی لیکن خوارزم شاہ نے بعض خوشامدی سرداروں کے زیر اثر اس رائے سے اتفاق نہ کیا۔اس کی پہلی اور آخری دلیل یہی تھی کہ تاتاری ڈاکوؤں کو سزا دینے میں ہماری طرف سے کسی قسم کا تذبذب دنیا پر ظاہر کردے گا کہ ہم کمزور ہو چکے ہیں اور آج تک ہم نے اپنے ہر دشمن پر ثابت کیا ہے کہ ہم کمزور نہیں۔ہمیں اطمینان ہے کہ تاتاری اگر پر لگا کر ہوا میں اڑنے لگیں

تو بھی ہم ان پر غالب آئیں گے۔

جب جلال الدین کو اپنے باپ کا ارادہ بدلنے میں کسی طرح کامیابی نہ ہوئی تو اس نے کہا۔اگر آپ کا یہی ارادہ ہے تو میں درخواست کرتا ہوں کہ اس مہم پر مجھے روانہ کیا جائے اور آپ باقی فوج کے ساتھ ملک کے اندر رہیں۔

خوارزم شاہ نے اپنے دوراندیش بیٹے کی یہ تجویز بھی رد کردی اور اسے ملک کی حفاظت کا کام سونپ کر شمال مشرق کی طرف پیش قدمی کردی۔

جلال الدین کے خدشات صحیح ثابت ہوئے۔۔۔۔۔دولاکھ مسلمانوں کے سیلاب کے سامنے تاتاریوں کے منتشر دستے چاروں اطراف سے سمٹ کر پیچھے ہٹنے لگے اور خوارزم شاہ اپنی طاقت کے نشے میں سرشار چند تجربہ کار سرداروں کے مشورے کے خلاف آگے بڑھتا گیا۔اس کا حوصلہ بڑھانے کے لیے بعض مقامات پر تاتاریوں کی افواج معمولی مزاحمت کے بعد بھاگ نکلیں۔۔تاتاریوں کی اس چال نے شاہِ خوارزم کو خطرات سے اور زیادہ بے پروا کردیا۔ایک صبح ایک وادی میں جس کے تین اطراف اونچے پہاڑ اور ایک طرف گھنا جنگل تھا۔خوارزم کی افواج کا تاتاریوں کے چند دستوں سے تصادم ہوا۔تاتاری مدافعانہ جنگ لڑتے ہوئے جنگل کی طرف ہٹتے گئے۔اور باقی تین طرف کے کے پہاڑوں پر تاتاریوں کا ٹڈی دل لشکر نمودار ہونے لگا۔خوارزم شاہ نے اپنی غلطی کا احساس اس وقت کیا جب چاروں طرف سے تیروں کی بارش ہورہی تھی۔اس تنگ میدان میں ترک نیزہ بازوں کو اپنے جوہر دکھانے کا موقع نہ ملا۔گھنے جنگل کے سوا ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔تیروں کی بارش کے علاوہ تاتاریوں کے بے شمار دستے پہاڑوں سے نیچے اُتر کر خوارزم شاہ کی افواج میں تباہی مچا رہے تھے۔اس تباہی سے بچنے کے لیے

ترک افواج نے جنگل میں پناہ لینے کی کوشش کی لیکن یہاں بھی ہر درخت کے نیچے ایک تاتاری تیر انداز موجود تھا۔تیسرے پہر تک خوارزم کی افواج نے تاتاریوں سے تمام جنگل کو صاف کردیا اور تاتاری پہاڑوں پر سے آہستہ آہستہ غائب ہونے لگے لیکن ترکوں کے نقصانات اس قدر زیادہ تھے کہ شام کے وقت خوارزم شاہ کی فوج کے افسر میدان میں لاشیں گننے کی بجائے زندہ آدمیوں کی گنتی کررہے تھے۔

اس تباہی کے بعد خوارزم شاہ کو اپنی رہی سہی افواج کے ساتھ آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی اور جب وہ واپس آرہا تھا تو اسے راستے میں خبر ملی کہ شمال کی طرف سے تاتاریوں کا لشکر فوقند کی طرف پیش قدمی کررہا ہے۔فوقند کے حاکم اعلیٰ تیمور ملک نے یہ کہلا بھیجا کہ اس وقت میرے پاس پانچ ہزار سپاہی ہیں۔تاہم مجھے یقین ہے کہ میں ایک مدت تک تاتاریوں کا طوفان روک سکوں گا لیکن اگر سلطان مجھے بیس ہزار سپاہیوں کی کمک بھیج دے تو ممکن ہے کہ عالم اسلام کے متعلق تاتاریوں کے ارادے ہمیشہ کے لیے بدل دوں۔

خوارزم شاہ گزشتہ جنگ میں غیر متوقع تباہی کے باعث اس قدر بد حواس ہو چکا تھا کہ اس نے غصے سے کانپتے ہوئے تیمور ملک کا خط پھاڑ ڈالا اور ایلچی سے کہا ۔اگر تیمور ملک یہ سمجھتا ہے کہ وہ ہماری نسب زیادہ تجربے کار ہے تو وہ بیوقوف ہے۔

لیکن بعض افسروں کے سمجھانے پر خوارزم شاہ نے تیمور ملک کو یہ پیغام بھیجا کہ میں بیس ہزار سپاہی بھیجنے سے پہلے یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم اپنے پانچ ہزار سپاہیوں سے تاتاریوں کو کب تک روک سکتے ہو۔

فوقند کے قید خانے میں طاہر کو دو مہینے گزر گئے۔قید خانے کے داروغہ سے اس نے بارہا یہ درخواست کی کہ اسے شہر کے حاکم اعلیٰ کے سامنے پیش کیا جائے۔لیکن

اسے ہر بار یہ جواب ملتا کہ جب انھیں فرصت ہوگی وہ خود بلا لیں گے ۔ طاہر نے داروغہ سے خط لکھنے کی اجازت طلب کی لیکن اس نے جواب دیا کہ جاسوسی کے جرم میں گرفتار ہونے والوں کے لیے یہ سہولت مہیا نہیں کی جا سکتی ۔ طاہر کو کسی دوسرے قیدی سے ملنے کی اجازت بھی نہ تھی ۔ وہ قید خانے سے باہر دنیا کے تمام حالات سے بے خبر تھا۔ وہ بے قرار ہو کر دن میں کئی مرتبہ یہ سوچتا تھا۔ آخر مجھے اب تک کیوں نہیں بلایا گیا؟ قید خانے سے باہر کیا ہو رہا ہے۔ کیا تاتاریوں نے حملہ کر دیا ہے۔۔۔

حاکم اعلیٰ کو میرے متعلق سوچنے کی فرصت نہیں ملتی ؟ کیا وہ میرا بیان لیے بغیر مجھے عمر قید کی سزا دے چکے ہیں۔

ایک دن چند سپاہی اسے ننگی تلواروں کے پہرے میں قید خانے سے نکال کر فوقند کے گورنر تیمور ملک کے محل میں لے گئے ۔ تیمور ملک ایک خوش وضع اور خوش اخلاق آدمی تھا۔ اس کی شجاعت اور شرافت کی داستانیں دور دور تک مشہور تھیں ۔ اس نے نہایت اطمینان سے طاہر کی سرگزشت سُنی ۔ طاہر نے اپنا بیان ختم کرنے کے بعد خوارزم کے سفیر کو وہ خط پیش کیا جس میں اس نے طاہر کی نیک نیتی پر اعتماد ظاہر کیا تھا۔ اس خط میں صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار کا بھی ذکر تھا۔

تیمور ملک نے کچھ دیر سر جھکا کر سوچنے کے بعد اپنی عقابی نگاہیں ڈالتے ہوئے کہا۔ جہاں تک میرے رائے کا تعلق ہے، میری رائے تمھارے خلاف نہیں۔ لیکن سلطان معظم کا حکم ہے کہ اس قسم کے سارے مقدمات ان کے پاس بھیجے جائیں۔ تمھاری گرفتاری کی اطلاع ان تک پہنچ چکی ہے اور امیں ان کے حکم کا انتظار کر رہا ہوں۔

طاہر نے کہا۔ مجھے قید میں دو مہینے گزر چکے ہیں ۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ دنیا

میں کیا ہو رہا ہے۔ میں بہت جلد بغداد پہنچنا چاہتا ہوں، وہاں کے لوگوں کو صحیح حالات سے باخبر کرنے کی ضرورت ہے۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تاتاری آپ کی سلطنت پر کسی دن اچانک حملہ کر دیں گے اور مجھے یقین ہے کہ بغداد کی مداخلت یہ حملہ روک سکے گی۔ اگر یہ نہ ہو سکا تو کم از کم خوارزم کی مدد کے لیے بغداد کے لوگوں کو منظم کر سکوں گا۔ مجھے صرف چند دن کی رخصت دیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں بغداد کے لوگوں تک پیغام پہنچا کر آپ کے پاس حاضر ہو جاؤں گا۔ ایک قیدی کی زبان سے ایسی درخواست آپ شاید مضحکہ خیز سمجھیں لیکن میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ میں ایک مسلمان ہوں اور مسلمانوں کی عزت اور آزادی کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتا ہوں۔ خدا کے لیے میرے وعدے پر یقین کیجیے۔ ورنہ کم از کم مجھے فوراً خوارزم شاہ کے پاس ہی بھیج دیجیے۔

تیمور ملک نے جواب دیا۔ نوجوان! تاتاریوں کے ساتھ ہماری جنگ شروع ہو چکی ہے اور اب تک تو ہماری بدترین شکست کی خبر شاید بغداد بھی پہنچ چکی ہو۔ ممکن ہے کہ اسلام پر کفر کی پہلی فتح کی خبر سن کر خلیفۃ المسلمین کے محل میں چراغاں بھی کیا جا چکا ہو۔ ان حالات میں میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر تم نیک نیت ہو تو بغداد میں خلیفہ کا محل تمہارے لیے قوقند کے قید خانے سے زیادہ خطرناک ہو گا۔ انھوں نے تم سے جو کام لینا تھا، وہ لے چکے ہیں۔ اب شاید وہ تمھارے زندہ رہنے کی ضرورت محسوس نہ کریں، اور سلطان معظم کے دل و دماغ پر تازہ شکست نے جو اثر کیا ہے، اس کے پیش نظر میں یہ خطرہ محسوس کرتا ہوں کہ شاید وہ جاسوس کا لفظ سننے کے بعد تفصیلات میں جانا پسند نہ کریں۔

شکست کی خبر سُن کر طاہر ایک لمحے کے لیے ششدر رہ گیا۔ اس کی حالت اس

شخص کی سی تھی جسے نیند کی حالت میں سمندر میں پھینک دیا گیا ہو۔ اُس نے تھوڑی دیر کے بعد اس نے اپنے حواس پر قابو پا کر کہا۔ مجھے اپنی موت کی پرواہ نہیں لیکن خدا شاہد ہے کہ میں معصوم ہوں۔ مجھے دھوکا دیا گیا ہے۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ موت سے پہلے اس غلطی کا کفارہ ادا کرسکوں اور بغداد پہنچے بغیر میں یہ کفارہ ادا نہیں کرسکتا۔ آپ کا اصلی مجرم وحیدالدین سابق وزیر خارجہ ہے۔ اگر وہ زندہ ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں چند دنوں تک اس کا سر آپ کے پاس پہنچاؤں گا، ورنہ میرا سر حاضر ہوگا۔

تیمور ملک نے کہا۔ ہمارے اصلی مجرم خلیفہ اور وزیر اعظم ہیں، وزیر خارجہ صرف ان کا آلہ کار ہوسکتا ہے۔ اگر تم ان کا سر لانے کا وعدہ کرو تو میں شاید تمھاری آزادی کی کوئی تدبیر سوچ سکوں۔

نہیں نہیں۔ طاہر نے چلا کر کہا۔ وہ ایسے نہیں ہوسکتے میں ان کے خلاف اسی باتوں پر یقین نہیں کرسکتا۔ جس دن عالم اسلام کے یہ ستون اس قدر کھوکھلے ہو جائیں گے اُس دن دنیا کا کوئی خطہ ہمارے لیے محفوظ نہ ہوگا۔ کیا آپ کے خیال میں وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ خوارزم تاتاریوں کے سیلاب کے سامنے آخری چٹان ہے اگر یہ چٹان گر گئی تو بغداد بھی تباہی سے نہیں بچ سکے گا؟

تیمور ملک نے کہا۔ یا تم خود بے وقوف ہو یا تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو۔ کیا تمھیں علم نہیں کہ اب تک خلیفہ کے کئی جاسوس پکڑے جا چکے ہیں؟

طاہر نے جواب دیا۔ ان تمام سازشوں میں وزیر خارجہ کا ہاتھ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ خلیفہ اور وزیر اعظم کو کسی بات کا علم نہ تھا۔

تیمور ملک نے کہا۔ اگر تم نے ایسی ہی مستعدی سے سلطان المعظم کے سامنے

خلیفہ اور وزیر اعظم کی صفائی پیش کی تو مجھے یقین ہے کہ تم فوراً اپنے تین ساتھیوں سے جا ملو گے۔

طاہر نے جواب دیا۔ میں اپنی جان کے خوف سے کسی کے خلاف جھوٹی گواہی دینے کے لیے تیار نہیں۔

تیمور ملک اس کے جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن ایک فوجی افسر نے اندر آ کر اطلاع کی کہ سلطان معظم کا ایلچی ملاقات کی اجازت چاہتا ہے۔

تھوڑی دیر میں ایک ترک افسر اندر داخل ہوا اور اس نے تیمور ملک کو ایک خط پیش کیا۔ تیمور ملک نے خط پڑھنے کے بعد پہلے ایلچی اور پھر طاہر کی طرف دیکھا اور انتہائی مغموم آواز میں کہا۔ تمھارے متعلق سلطان معظم کا حکم آ گیا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ اب میرے بس میں کچھ نہیں۔ تم یہ پڑھ سکتے ہو۔

تیمور ملک نے خط طاہر کی طرف بڑھا دیا لیکن اس نے آگے بڑھ کر خط لینے کی بجائے کہا۔ اس خط کی تحریر میں آپ کے چہرے سے پڑھ سکتا ہوں۔ میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ میں کب تک زندہ ہوں؟

کل تک! تیمور ملک نے یہ کہہ کر سر جھکا لیا۔

طاہر کے چہرے پر ایک دردناک مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ تیمور ملک نے تھوڑی دیر بعد گردن اوپر اٹھائی۔ وہ منہ سے کچھ نہ کہہ سکا۔ لیکن اس کی نگاہیں یہ کہہ رہی تھیں۔

نوجوان! مجھے تمہارے ساتھ ہمدردی ہے لیکن میں بے بس ہوں۔

طاہر نے کہا۔ اگر یہ فیصلہ آخری ہے تو کیا میں ایک باعزت موت کی توقع رکھ سکتا ہوں؟

تیمور ملک نے جواب دیا۔سلطان معظم کا حکم ہے کہ تمھیں لوگوں کے سامنے پھانسی پر لٹکایا جائے!

تیمور ملک کوئی اور بات کیے بغیر اُٹھ کر محل کے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

(۳)

طاہر کو ننگی تلواروں کے پہرے میں محل سے باہر نکالا گیا۔ دروازے کی سیڑھیوں کے نیچے لوگوں کا ایک ہجوم کھڑا تھا۔لوگ طاہر کو دیکھتے ہی انتقامی جذبے کے تحت نعرے لگانے لگے۔قوم کا غدار، خلیفہ کا جاسوس، دشمن اسلام، پکڑ لو، مار ڈالو۔سپاہی ہجوم کا اشتعال دیکھ کر دروازے میں رُک گئے۔ہجوم میں سے چند نوجوان نکل کر سیڑھیوں پر چڑھنے لگے لیکن سپاہیوں نے انھیں تلواروں اور نیزوں سے ڈرا دھمکا کر روک دیا۔تاہم ہجوم کا اشتعال ہر لحظہ بڑھ رہا تھا۔کسی نے پتھر پھینکا لیکن یہ پتھر سپاہی کو لگنے کی بجائے ایک سپاہی کے ماتھے پر لگا اور وہ دونوں ہاتھوں میں سر دبا کر بیٹھ گیا۔چند اور پتھر اور تین چار سپاہی زخمی ہو گئے۔ایک فوجی افسر نے آگے بڑھ کر یہ کہنے کی کوشش کی اس کی موت کا حکم صادر ہو چکا ہے۔لیکن اس کی آواز لوگوں کے نعروں میں دب گئی اور ایک پتھر کھانے کے بعد اس نے چلا کر قیدی کو محل میں واپس لے جاؤ اور دروازہ بند کر دو!

لیکن طاہر نے پہرے دار کی ننگی تلواروں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایک قدم آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔مسلمانو!ایک غدار اور جاسوس کے خلاف نفرت کا یہ جذبہ تم میں زندگی کا ثبوت ہے لیکن تمھیں شاید یہ معلوم نہیں کہ میری موت کا حکم صادر ہو چکا ہے۔ مجھے کل تمھارے سامنے پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا اور اس کے بعد میرا مقدمہ اس بڑی عدالت میں پیش ہو گا جہاں ہر مظلوم

دادرسی کی توقع رکھتا ہے۔لوگوں کا شور کم ہو رہا تھا اور وہ نفرت اور حقارت کے جذبات سے مغلوب ہونے کے باوجود طاہر کی زبان سے کچھ سننا چاہتے تھے لیکن ایک سپاہی نے طاہر کی گردن پر تلوار کی نوک رکھتے ہوئے کہا۔تمھیں لوگوں کے سامنے تقریر کرنے کا کوئی حق نہیں۔کسی نے پیچھے سے آکر سپاہی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ سپاہی نے مڑ کر دیکھا تو اس کے سامنے تیمور **ملک** تیمور کھڑا تھا۔تمام سپاہی ادب و احترام کے ساتھ گورنر کی طرف دیکھنے لگے۔

ایک لمحے کے بعد لوگوں کی آوازیں پھر آہستہ آہستہ بلند ہونے لگیں۔تیمور **ملک** نے آگے بڑھ کر ہاتھ بلند کیا اور کہا۔سلطان معظم کے حکم سے اس شخص کو کل تمھارے سامنے پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔کیا ایک شخص جو صرف ایک دن کا مہمان ہے تمہاری طرف سے بہتر سلوک کا حق دار نہیں؟

تیمور **ملک** پہرے داروں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے سیڑھیوں سے نیچے اُترا۔لوگوں نے فوراً ادھر اُدھر سمٹ کر راستہ چھوڑ دیا۔سپاہی طاہر کے گرد حلقہ باندھ کر اس کے ساتھ چل دیے۔چند قدم چلنے کے بعد تیمور **ملک** رُک کر ہجوم سے مخاطب ہوا۔میں بہت مصروف ہوں۔سرحد کے پار تاتاریوں کے دستے دیکھے گئے ہیں۔مجھے ڈر ہے کہ جنوب کے اور شہروں کی طرح وہ قوقند پر بھی اچانک حملہ نہ کر دیں۔اس لیے یہ نعرے لگانے کا وقت نہیں۔تلواریں تیز کرنے کا وقت ہے۔تم نے میرے دو سپاہیوں کو زخمی کر دیا ہے۔تم جانتے ہو کہ میرے پاس زیادہ سپاہی نہیں اب اگر تم یہ وعدہ کرو کہ تم راستے میں سپاہیوں کو تنگ نہیں کرو گے تو میں واپس جا کر زیادہ اہم امور پر توجہ دے سکوں گا، ورنہ مجھے قید خانے تک ان کے ساتھ جانا پڑے گا۔

ایک نوجوان نے بلند آواز میں کہا۔ بھائیو! یہ کیا حماقت ہے ہم ایسے نازک موقع پر اپنے محبوب حاکم کا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ اب تمھاری تسلی ہو چکی ہے کہ مجرم کو عبرت ناک سزا ملے گی۔ اب تم کیا چاہتے ہو۔ چلو یہاں سے!

لوگ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں منتشر ہونے لگے۔ تیمور ملک نے محل کی طرف لوٹتے ہوئے سپاہیوں سے کہا۔ قیدی کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔

آسمان پر بادل چھا رہے تھے۔ شمال کی سرد ہوا سے طاہر کا جسم ٹھٹھر رہا تھا۔ ایک سپاہی نے اپنی پوستین اُتار کر طاہر کے کندھوں پر ڈال دی۔ طاہر نے اس کی طرف احسان مند نگاہوں سے دیکھا اور پوستین اتار کر واپس کرتے ہوئے کہا۔ شکریہ! ایک دن کے مہمان کو اس کی ضرورت نہیں۔

(۴)

اگلے دن برف باری سے قوقند کے بازاروں میں روائے سیمیں بچھی ہوئی تھی۔ طاہر قید خانے سے باہر ایک چبوترے کے اوپر کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ پیچھے کی طرف مضبوط رسی سے جکڑے ہوئے تھے۔ اس سے دو قدم آگے پھانسی کا پھندا لٹک رہا تھا۔ ارد گرد کھلے میدان میں برف باری کے باوجود سینکڑوں آدمی جمع تھے۔

موت کو اس قدر قریب دیکھنے کے باوجود طاہر کے چہرے پر ایک غیر معمولی سکون تھا۔ قید خانے کے داروغہ کا اشارہ پا کر جلاد چبوترے کے اوپر چڑھا اور اس نے پھانسی کا پھندا ہاتھ میں لیتے ہوئے آگے بڑھ کر طاہر کو لکڑی کے تختے پر کھڑا ہونے کے لیے اشارہ کیا۔ طاہر نے تختے پر چڑھ کر ادھر اُدھر دیکھا۔ تماشائیوں میں اب وہ پہلا سا جوش وخروش نام کو نہ تھا۔ جلاد نے پھانسی کا پھندا طاہر کے گلے میں ڈال دیا۔ قید خانے کے داروغہ نے آگے بڑھ کر کہا۔ تمھارے لیے یہ آخری موقع

ہے اگر کوئی ایسی خواہش ہو جسے ہم پورا کر سکتے ہوں تو بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

طاہر نے جواب دیا۔ میں آپ کو اس سوال کا جواب پہلے دے چکا ہوں۔ ایسے موقعوں پر خدا پرست، انسانوں سے توقعات وابستہ نہیں کیا کرتے۔ میں نے جو کچھ مانگنا تھا، خدا سے مانگ چکا ہوں۔ اگر میری دعائیں مستجاب نہیں ہوئی تو تم میرے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔

داروغہ نے لاجواب سا ہو کر کہا۔ پھر بھی اگر تم بغداد میں کسی عزیز کو کوئی پیغام دینا چاہو تو شاید ہم کوئی بندوبست کر سکیں۔

طاہر نے جواب دیا۔ خدا اور رسولؐ کا نام لینے والا میرا عزیز ہے۔ اور میں ہر ایک کو ایک ضروری پیغام دینا چاہتا تھا۔ خدا کو اگر مجھ سے کام لینا منظور ہے تو مجھے یقیناً موقع دے گا ورنہ مجھے یقین ہے کہ میرے بعد وہ کسی بہتر انسان کو اس مقصد کے لیے منتخب کرے گا۔

میں پوچھ سکتا ہوں کہ وہ پیغام کیا ہے؟

وہ پیغام یہ ہے کہ اس وقت کفر اسلام کے خلاف اپنی ساری طاقتیں منظم کر رہا ہے۔ مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ دین کی حفاظت کے لیے منظم اور متحد ہو جائیں!

داروغہ نے کہا۔ اب صرف چند لمحات باقی ہیں۔ تم کوئی دعا مانگنا چاہتے ہو تو مانگ لو۔

طاہر نے سفیدی مائل بادلوں میں چھپے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا اور وہ دعا جسے وہ رات کے وقت کئی بار دہرا چکا تھا۔ ایک بار پھر دُہرانے لگا۔ میرے اللہ! کیا میں تیرے دین کے کسی کام نہیں آ سکتا؟ میں نے تیری راہ میں جہاد کی نیت سے

نیزوں اور تلواروں سے کھیلنا سیکھا تھا۔ کیا میرے مقدر میں ایک کریہہ موت کے سوا کچھ نہیں؟ میں نے صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار کا حق ابھی ادا نہیں کیا!

میرے مولا! انسانوں کے غلط فیصلے منسوخ کرنا تیری قدرت سے بعید نہیں!

جلاد نیچے سے تختہ کھینچنے کے لیے داروغہ کے اشارہ کا منتظر تھا۔

تماشائیوں میں سے اب بعض ایسے بھی تھے جو طاہر کی طرف غصے یا بے اعتنائی کی بجائے ہمدردی کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔

اچانک شہر کی طرف سے لوگوں کی چیخ پکار سنائی دی۔ چند سوار گھوڑے بھگاتے ہوئے آئے اور ان میں ایک نے بلند آواز میں کہا۔ تاتاری آرہے ہیں۔ شہر کی حفاظت کے لیے تیار ہو جاؤ! اس اعلان نے ایک لمحے کے لیے لوگوں کو مبہوت کر دیا اور دوسرے لمحے وہ تاتاری آرہے ہیں! تاتاری آگئے! کہتے ہوئے اپنے گھروں کا رُخ کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد جب داروغہ کے حواس درست ہوئے اور اسے اپنے فرض کا دوبارہ خیال آیا تو میدان خالی ہو چکا تھا۔ اس نے ایک لمحے کے تذبذب کے بعد جلاد کو تختہ کھینچنے کا اشارہ کیا تو ایک طرف سے کسی نے بارعب آواز میں کہا۔ ٹھہرو!

تیمور ملک کی آواز پہچان کر داروغہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ تیمور ملک گھوڑے پر سوار تھا اور اس کے ساتھ چند اور سپاہی بھی تھے۔ وہ چبوترے کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے اُترا اور چبوترے پر چڑھ کر طاہر کی گردن سے پھندا اُتارنے کے بعد اپنے خنجر سے طاہر کے ہاتھوں کی رسیاں کاٹ ڈالیں۔ طاہر نے جلدی سے سوال کیا ۔ تاتاری کتنی دور ہیں؟

تیمور ملک نے جواب دیا۔ کوئی دس کوس کے فاصلے پر۔ تمھارے پاس شہر سے

نکل جانے کے لیے کافی وقت ہے۔

کہاں جانے کے لیے؟ طاہر نے اطمینان سے سوال

بغداد کی طرف، تم بغداد ہی جانا چاہتے تھے نا؟

نہیں اب بغداد کی نسبت یہاں زیادہ کام ہے۔

بہت اچھا۔ تم میرے ساتھ چلو۔ تیمور ملک نے یہ کہہ کر ایک سپاہی کو اپنا گھوڑا اور تلوار طاہر کے سپرد کرنے کا حکم دیا۔

(۵)

خوارزم شاہ کی پہلی شکست کے بعد سرحد کے اور بہت سے شہروں کی طرح توقند کی آبادی کا بہت سا حصہ مغرب کے شہروں کی طرف ہجرت کر چکا تھا۔ اس کے بعد جب تیمور ملک کو سلطان نے مزید سپاہی بھیجنے سے انکار کر دیا تو اس نے رہے سہے لوگوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اپنے بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو شہر سے نکال کر محفوظ مقامات پر پہنچا دیں۔ لیکن اس کے باوجود توقند کی آبادی کا قریباً تیسرا حصہ ابھی تک شہر میں موجود تھا۔ بعض لوگوں کا خیال یہ تھا کہ خوارزم شاہ کی شکست کا باعث اس کی فوج کی کمزوری کی بجائے پہاڑی علاقے کے نشیب و فراز سے ناواقفیت تھی اور تاتاری اپنی فتح کے باوجود توقند کی طرف بڑھنا پسند نہیں کریں گے۔ لیکن تاتاریوں کے سرحد عبور کرنے کی خبر سے شہر کے لوگوں میں افراتفری پھیل گئی اور وہ اپنی عورتوں اور بچوں کو ساتھ لے کر برف باری کے طوفان کے باوجود ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔ تیمور ملک کی فوج نے آس پاس کی پہاڑیوں میں مورچے بنا کر تاتاری فوج کے ہراول دستے کو تین دن تک توقند سے دُور رکھا۔ حملہ آور تاتاریوں کی تعداد میں آئے دن اضافہ ہو رہا تھا۔ ان تین دن کے معرکوں میں تیمور ملک کے جانبازوں نے جان

توڑ حملوں سے کئی دفعہ تاتاریوں کو پیچھے دھکیلا لیکن ان کی کثرت کے سامنے اس کی کوئی پیش نہ گئی۔ چوتھے روز جب تیمور **ملک** کے ساتھ صرف ایک ہزار جاں نثار رہ گئے، اسے جاسوسوں نے خبر دی کہ چنگیز خان کا بیٹا روچی سپاہیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے ساتھ پیش قدمی کر رہا ہے۔

اب **ملک** کی آخری جائے پناہ دریا کے درمیان ایک ٹاپو تھا جس کی حفاظت کے انتظامات وہ کئی ماہ پیشتر کر چکا تھا۔ کسی زمانے میں قوقند کے حکمران اور اونچے طبقے کے لوگ اسی ٹاپو میں رہتے تھے۔ قدیم قلعہ اور چند اُجڑی ہوئی عمارات اب تک موجود تھیں۔ تیمور **ملک** نے رات کے وقت اپنی فوج اور شہر کے رہے سہے باشندوں کو جو اس کے ساتھ جینا اور مرنا قبول کر چکے تھے کشتیوں کے ذریعے اس ٹاپو پر اتار دیا اور چند سواروں کو خوارزم کے پاس کمک بھیجنے کی آخری درخواست کے ساتھ روانہ کر دیا۔

ٹاپو کے قریب دریا کا پاٹ اس قدر چوڑا تھا کہ دونوں کناروں سے حملہ آوروں کی کمان سے نکلے ہوئے تیر مشکل سے یہاں تک پہنچ سکتے تھے۔ تیمور **ملک** نے چند ماہ کے لیے سامانِ رسد بھی اس ٹاپو پر جمع کر رکھا تھا۔ زوچی نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ یہ ٹاپو جلد فتح نہیں ہو سکے گا۔ یہ مُہم اپنے ایک نائب کے سُپرد کر دی اور آدھی فوج اس کی قیادت میں دے کر خود باقی فوج کے ساتھ جنوب مغرب کا رُخ کیا۔

تاتاری قرب و جوار کی تمام آبادیوں کے باشندوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک کر لے آئے اور انھیں دریا کے کنارے سے ٹاپو کے سرے تک پتھروں سے راستہ بنانے کے کام پر لگا دیا۔ ہزاروں بچے، بوڑھے، عورتیں اور مرد تاتاریوں کی

ننگی تلواروں کے پہرے میں پتھر اٹھا کر لاتے اور دریا میں پھینک دیتے۔دریا کے کنارے سے پتھروں کا یہ راستہ آہستہ آہستہ ٹاپو کی طرف بڑھنے لگا۔تیمور ملک نے اس خطرے کو فوراً محسوس کیا۔اس نے چند بڑی بڑی کشتیوں کے گرد لکڑی کے تختوں کے مورچے بنوائے اور ان کے اندر اپنے بہترین تیر انداز بٹھا کر کنارے پر جمع ہونے والے تاتاریوں پر حملے شروع کر دیے۔ان حملوں سے شروع میں تاتاریوں کا بہت نقصان ہوا۔بعض اوقات جان کے خوف سے راستے کی تعمیر کے لیے پتھر اُٹھانے والے لوگ تاتاریوں کو کشتیوں پر حملے کرنے والوں کی طرف متوجہ پا کر اچانک ان پر پتھروں کی بارش شروع کر دیتے۔اور اس کے بعد زندگی اور موت کی سے بے پرواہ ہو کر دریا میں چھلانگیں لگا دیتے۔کسی کی جان حملہ آوروں کی کشتیوں کے باعث بچ جاتی اور کوئی تیر کر جزیرے تک جا پہنچتا لیکن اکثر دریا کی موجوں یا تاتاریوں کے تیروں کا شکار ہو جاتے۔

ان مشکلات پر قابو پانے کے لیے تاتاری کشتیوں کے خلاف منجنیقیں استعمال کرنے لگے۔منجیق سے پتھروں کی بجائے وہ کھولتے ہوئے تیل یا جلتی ہوئی گندھک کی ہانڈیاں پھینکتے اور کشتیوں کو آگ لگا دیتے۔تیمور ملک نے اس نئے حربے کا مقابلہ کرنے کے لیے کشتیوں پر چھتیں ڈلوا دیں اور ان کے اوپر مٹی کا پلستر کرا دیا اور اندر بیٹھنے والے تیر اندازوں کے لیے چھوٹے چھوٹے سوراخ چھوڑ دیے لیکن مدافعت کی ان تمام کوششوں کے باوجود تاتاریوں کی بے شمار فوج کے سامنے تیمور ملک کی کوئی پیش نہ گئی اور دریا کے کنارے سے ٹاپو کی طرف راستہ بڑھتا گیا۔

علاؤالدین محمد خوارزم شاہ تاتاریوں سے پہلی شکست کے بعد اس قدر بددل

ہو چکا تھا کہ اس نے تیمور ملک کے متعدد پیغامات کے باوجود کوئی کمک نہ بھیجی بلکہ اسے یہ حکم دیا کہ وہ ٹاپو کی مدافعت کا خیال چھوڑ کر اس سے آ ملے۔ لیکن تیمور کی غیرت نے اپنے ساتھیوں کو مصیبت میں چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ جب راستہ ٹاپو کے اس قدر قریب پہنچ گیا کہ تاتاری ٹاپو کے مورچوں پر منجنیق سے پتھر اور آتش گیر مادہ پھینک سکتے تھے تو تیمور ملک کے لیے ٹاپو خالی کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

(۶)

ایک شام تیمور ملک نے اپنے ساتھیوں کو جزیرہ خالی کرنے کی تیاری کا حکم دیا ۔رات کے وقت آسمان پر بادل چھا رہے تھے۔ تیمور ملک کے تمام ساتھی کشتیوں کے بیڑے پر سوار ہو کر زیادہ دُور نہیں گئے تھے۔ کہ بارش شروع ہو گئی۔ تیمور ملک نے بادلوں کے باعث رات کی بڑھتی ہوئی تاریکی کو اپنے لیے تائیدِ غیبی سمجھا تھا لیکن بارش ہونے کے بعد جب بجلی بھی چمکنے لگی تو اُسے خدشہ محسوس ہونے لگا کہ اگر کنارے کی چوکیوں کے تاتاری باخبر ہو گئے تو اسے بہت بڑی تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آدھی رات کے بعد اسے معلوم ہوا کہ اس کا خدشہ غلط نہ تھا۔ بجلی کی چمک میں اسے دونوں کناروں پر تاتاری سواروں کے دستے دکھائی دیے۔ تھوڑی دور آگے جا کر ان کے ہمراہ پیادہ سپاہیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد دکھائی دی۔ تیمور ملک کی کشتی پر اس کی فوج کے چیدہ چیدہ افسر سوار تھے۔ اس نے ان کا مشورہ طلب کیا سب کی متفقہ رائے یہ تھی کہ گھنے جنگل میں پہنچ کر کشتیاں کنارے لگا دی جائیں ۔تاریکی میں اگر تاتاریوں سے مقابلہ ہوا بھی تو بعض آدمیوں کو چھپ چھپا کر ادھر اُدھر بھاگ جانے کا موقع مل جائے گا۔ تیمور ملک نے سب کی رائے سُننے کے بعد کہا۔ طاہر اب تک خاموش ہے میں اس کی رائے بھی سُننا چاہتا ہوں۔

کشتی کے کونے سے جواب ملا۔میرے خیال میں ہمارے لیے دو ہی راستے ہیں ۔ پہلا یہ کہ ہم کنارے پر کسی جگہ پاؤں جما کر آخری دم تک لڑیں ۔جنگل ہو یا میدان یہ تمام علاقہ تاتاریوں سے پٹا پڑا ہے اور ہمارے لیے بھاگنے کے راستے بہت کم ہوں گے ۔ایسی صورت میں میں اگر ایک جان کے بدلے دو نہیں تو ایک جان لینے کا قائل ہوں ۔اگر کسی ایک جگہ دریا کے کنارے اُترے کے بعد ادھر اُدھر بھاگتے ہوئے دشمن کے تیروں کا شکار ہونا ہے تو بہتر یہی ہے کہ ہم ان کے تیر پیٹھ پر کھانے کی بجائے سینے پر کھائیں ۔دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہر ایک یا آدھ کوس پر ایک کشتی پیچھے چھوڑ دی جائیں ۔اور جب دوسری کشتیاں آگے جائیں تو اس کے سوار اُترتے جائیں اور خالی کشتی کو پانی میں دھکیلتے جائیں ۔تاتاری یقیناً باقی بیڑے کے ساتھ چلتے رہیں گے اور پیچھے رہنے والی کشتیوں کے سواروں کو جان بچانے کا موقع مل جائے گا۔تعاقب کرنے والوں کو غلط فہمی میں مبتلا رکھنے کے لیے ہم بیڑے پر سے بجلی کی روشنی میں تیر چلاتے رہیں گے ۔اس صورت میں طوع سحر تک ہمیں ادھر اُدھر بھاگنے کا وقت مل جائے گا۔آخری چند آدمیوں کو شاید اپنی کشتیاں کنارے تک لگانے کا وقت نہ ملے،اس لیے ضروری ہے کہ وہ بہترین تیراک ہوں۔

طاہر کی دوسری تجویز کے ساتھ سب نے اتفاق کیا لیکن تیمور ملک نے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ خالی کشتی جب دریا میں دھکیلی جائے گی تو یہ ممکن نہیں وہ باقی بیڑے کی طرح منجدھار میں چلتی رہے ۔بیڑے کی تعداد برقرار رکھنے کے لیے اسے بیڑے کے ساتھ شامل کرنا ضروری ہے ۔اس مقصد کے لیے باقی بیڑے کی رفتار کم کی جاسکتی ہے ۔لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کنارے سے دور رہے اور کشتی خالی ہونے کی صورت میں یہ دونوں باتیں مشکل ہیں۔

تھوڑی دیر کی بحث کے بعد یہ طے ہوا کہ ہر کشتی پر ایک رضا کار ایسا ہو جسے تیرنا آتا ہو اور جو سواریوں کو کنارے پر اُتار کر خالی کشتی لے آئے۔

بارش تھم چکی تھی۔ بادلوں کی پھٹی ہوئی سیاہ چادر میں سے کہیں کہیں ستارے جھانک رہے تھے۔ایک گھنے جنگل میں پہنچ کر پہلی کشتی کو پیچھے چھوڑ دیا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد جب یہ کشتی اپنی سواریوں کو کنارے پر چھوڑ کر بیڑے سے آملی اور اس میں سوار ہونے والے رضا کار نے اپنے ساتھیوں کے بچ نکلنے کا یقین دلایا تو دوسری کشتی پیچھے چھوڑ دی گئی۔

رات کے آخری پہر بیڑے کی کشتیوں پر صرف تیس رضا کار سوار تھے اور باقی کناروں پر اُتر چکے تھے۔ کناروں پر تعاقب کرنے والے تاتاری سواروں کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز بدستور آرہی تھی۔ تیمور ملک نے رضا کاروں کو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر یکے بعد دیگرے دریا میں کود کر کنارے پر پہنچنے کا حکم دیا اور جب تمام کشتیاں خالی ہوگئیں تو اس نے اپنے آخری ساتھ سے جو اس کشتی میں سوار تھا کہا ۔طاہر! اب وقت ضائع نہ کرو۔ کشتیاں منتشر ہو رہی ہیں، ان میں سے کوئی کنارے جا لگی تو تاتاری باخبر ہو جائیں گے۔ اب جلدی کرو۔ اگر تم تیرنا نہیں جانتے تو ایک کشتی کنارے پر لگا لو!

طاہر نے جواب دیا۔ میں تیرنا جانتا ہوں لیکن آپ؟

تیمور ملک نے مغموم آواز میں کہا۔ مجھے ڈوبتے ہوئے جہاز کے ملاح کا فرض ادا کرنے دو۔ جب تم کنارے پر پہنچ جاؤ گے تو میں بھی اپنی جان بچانے کی کوشش کروں گا۔

طاہر کو تذبذب کی حالت میں دیکھ کر تیمور ملک نے کہا۔ میں حکم عدولی کو اچھا

نہیں سمجھتا۔جلدی کرو۔

طاہر نے جواب دیا۔ میں آپ کے حکم کی تعمیل سے انکار نہیں کرتا لیکن میری ایک خواہش ہے۔

تیمور ملک نے جواب دیا۔ میں اب کسی خواہش کو پورا کرنے کے قابل نہیں ہوں۔کہو کیا کہتے ہو لیکن وقت ضائع نہ کرو۔اب پو پھٹنے والی ہے۔

طاہر نے کہا آپ وعدہ کریں کہ اس کے بعد اگر زندگی میں کبھی مجھے آپ سے کوئی درخواست کرنے کا موقع ملے تو آپ اسے رد نہیں کریں گے۔

تیمور ملک نے جواب دیا۔تم اپنے آپ کو ایسے وعدے کا حق دار ثابت کر چکے ہو۔جاؤ میں ایک کی بجائے تمھاری دو درخواستیں قبول کرنے کا وعدہ کرتا ہوں۔

طاہر خدا حافظ کہہ کر آہستہ سے پانی میں اُترا اور کنارے کی طرف تیرنے لگا۔رات بھر کی سردی اور بے آرامی سے اس کا جسم شل ہو رہا تھا۔دریا کا پانی نا قابل برداشت حد تک ٹھنڈا تھا۔وہ جوں توں کر کے کنارے پر پہنچا تو اسے ایک اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔چند سوار کنارے پر سے گزر رہے تھے۔طاہر کنارے پر گرے ہوئے ایک درخت کی جڑ پکڑ کر کچھ دیر پانی میں چھپا رہا اور جب یہ سوار گزر گئے تو اُس نے باہر نکلنے کی کوشش کی لیکن اب اسے پیادہ سپاہیوں کے چند دستے دکھائی دیے۔طاہر کا جسم بالکل سُن ہو چکا تھا۔جب وہ بھی گزر گئے تو ان کے پیچھے کچھ فاصلے پر اسے پھر گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی۔طاہر کی قوتِ برداشت جواب دے چکی تھی۔وہ جلدی سے باہر نکلا،

ایک درخت کے تنے کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔کنارے پر گھنے درختوں اور تاریکی کی وجہ سے تاتاری یکے بعد دیگرے منتشر اور غیر منظم صورت میں آگے بڑھ

رہے تھے۔

طاہر نے کچھ سوچ کر نیام سے تلوار نکال لی۔ جب پندرہ بیس سوار گزر گئے تو اسے کنارے سے ایک طرف زیادہ گھنے درختوں کے درمیان ایک گھوڑے کی آہٹ سُنائی دی۔وہ درختوں کی شاخوں کو ادھر اُدھر ہٹاتا ہوا دبے پاؤں آگے بڑھا۔

سوار اپنے ساتھیوں کو آوازیں دے رہا تھا اور اس کے جواب میں وہ اسے اپنے پاس بُلا رہے تھے۔ طاہر نے تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا اور جس طرف سوار کے گھوڑے کا رخ تھا۔اس طرف بڑھ کر ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ہوگیا۔ایک ثانیے کے بعد طاہر کا ایک ہاتھ گھوڑے کی باگ پر تھا اور دوسرے ہاتھ اس کی تلوار سوار کو موت کے گھاٹ اُتار چکی تھی۔ طاہر نے جلدی سے نیچے گر کر تڑپتے ہوئے تاتاری کی ٹوپی اور پوستین اُتار کر پہن لی اور گھوڑے پر سوار ہوگیا اور دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

(۷)

صبح کے آثار نمودار ہونے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔ تیمور ملک اپنی کشتی چھوڑ کر پانی میں تیرتا ہوا دریا کے کنارے پہنچا تو اسے درخت کی آڑ سے آواز سُنائی دی۔

۔۔تیمور!

اس نے چونک کر ادھر اُدھر دیکھا اور فوراً تلوار نیام سے نکال کر خطرے کے مقابلے کے لیے تیار ہوگیا۔

درخت کی آڑ سے پھر کسی نے کہا۔گھبراؤ نہیں میں ہوں طاہر!

تیمور ملک جلدی سے درخت کے قریب پہنچا۔طاہر گھوڑے کی باگ تھامے کھڑا تھا۔ تیمور ملک نے جلدی سے کہا۔گھوڑا حاصل کر لینے کے بعد بھی تم یہاں

کھڑے ہو؟

طاہر نے اطمینان سے جواب دیا۔ یہ گھوڑا آپ کے لیے ہے۔ اب جلدی کریں۔

تیمور نے جواب دیا۔ میں اپنے مقدر کی دلدل سے نکلنے کے لیے کسی کی لاٹھی چھیننا نہیں چاہتا۔

طاہر نے جواب دیا آپ نے میری دو درخواستیں قبول کرنے کا وعدہ کر چکے ہیں اور یہ پہلی درخواست ہے۔

تیمور ملک نے لاجواب سا ہو کر کہا۔ یہاں بحث کرنا ٹھیک نہیں آؤ۔ میرے ساتھ۔

طاہر اپنے ہاتھ میں گھوڑے کی باگ تھامے تیمور کے ساتھ چل دیا۔ کنارے سے کوئی تین سو گز دور پہنچ کر تیمور رکا اور کہنے لگا۔ کیا مجھ سے وعدہ لیتے وقت تمہاری نیت یہی تھی؟

ہاں!

تمھیں یقین تھا کہ تمھیں گھوڑا مل جائے گا اور تم مجھے پیش کرو گے؟

یہ میرا ارادہ تھا، خدا کا شکر ہے کہ پورا ہوا۔

تیمور ملک نے طاہر کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور اس پر سوار ہو کر کہا تم میرے پیچھے بیٹھ جاؤ۔

طاہر نے جواب دیا اس طرح ہم دونوں رہ جائیں گے۔

تیمور ملک نے کہا۔ خدا پر اس قدر بھروسہ رکھنے والے انسان کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ شاید تمھاری وجہ سے میں بھی بچ جاؤں۔ جلدی کرو۔ تاتاریوں کی آوازیں

آرہی ہیں۔شاید انھوں نے خالی کشتیاں دیکھ لی ہیں۔۔

طاہر فوراً تیمور ملک کے پیچھے بیٹھ گیا۔کوئی دو کوس جنگل عبور کرنے کے بعد پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔طاہر نے گھوڑے کی تھکاوٹ محسوس کر کے چند بار اُترنے کی خواہش ظاہر کی لیکن تیمور ملک نے ایک نہ سُنی۔

سُورج کی پہلی شعاع کے ساتھ ایک تنگ گھاٹی سے گزرتے ہوئے طاہر نے پیچھے مُڑ کر دیکھا تو تاتاری سواروں کا ایک گروہ سرپٹ آتا ہوا دکھائی دیا۔

طاہر نے کہا وہ ہمارے تعاقب میں آرہے ہیں۔خُدا کے لیے مجھے اُتار دیجیے۔میں اس گھاٹی پر انھیں روک سکتا ہوں۔آپ کو بچ نکلنے کا موقع مل جائے گا۔

تیمور ملک نے گھوڑا روکے بغیر پوچھا وہ کتنے ہیں؟

''سات''

تو میں بھی تمہارے ساتھ اُترتا ہوں۔

لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ ان کے پیچھے لشکر نہیں ہوگا؟

یہی وجہ ہے کہ میں تمھیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔

طاہر نے کہا آپ میری دو درخواستیں پورا کرنے کا وعدہ کر چکے ہیں اور میری دوسری درخواست ہے کہ آپ مجھے اتار دیں۔

لیکن میں اپنے لیے تمھارے اس ایثار کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟

طاہر نے جواب دیا۔خوارزم تاتاریوں کے سیلاب کے سامنے آخری چٹان ہے اور اس چٹان کو آپ جیسے محافظ کی ضرورت ہے۔میں آپ پر احسان نہیں کرتا عالم اسلام کی ایک خدمت کرنا چاہتا ہوں۔خوارزم شاہ کو چند بزدل مشیروں نے ناکارہ بنا دیا ہے۔آپ اس میں زندگی کی روح پھونک سکتے ہیں۔

تیمور ملک نے جواب دیا۔ میں صرف سپاہی ہوں۔تلوار سے کاٹنا جانتا ہوں۔ قوم میں زندگی کی روح پھونکنا تم جیسے لوگوں کا کام ہے۔تم جاؤ۔ میں گھوڑے سے اُتر کران کا راستہ روکتا ہوں۔

طاہر نے کہا! اپنا وعدہ نہ بھولیے۔ مجھے خدا پر بھروسہ ہے۔ہم ایک بار پھر ملیں گے۔ طاہر یہ کہہ کر بھاگتے ہوئے گھوڑے سے نیچے اُتر گیا۔ تیمور ملک نے گھوڑا روک لیا اور کہا۔تمھارے ترکش میں کتنے تیر ہیں؟

طاہر نے جواب دیا پان۔

تیمور ملک نے اپنا ترکش اُتار کراس کی طرف پھینک دیا اور کہا۔ چھ سات اس میں بھی ہوں گے۔کاش خوارزم کی فوج میں تمھارے جیسے پانچ سو سپاہی اور ہوتے؟

تیمور ملک نے گھوڑے کو سرپٹ چھوڑ دیا اور طاہر تنگ گھاٹی کے موڑ کے قریب چند گز پہاڑی کے اوپر چڑھ کر ایک پتھر کی آڑ میں بیٹھ گیا۔

(۸)

جب پہلا سوار گھاٹی کے موڑ پر گزر کر چند گز آگے نکل گیا تو طاہر نے تیر چلا دیا اور وہ تھوڑی دور آگے جا کر گھوڑے کی ننگی پیٹھ سے گر پڑا۔ اتنی دیر میں دُوسرا سوار موڑ نکل کر طاہر کے تیر کی زد میں آچکا تھا۔ طاہر کا دوسرا تیر بھی نشانے پر لگا لیکن تین اور سوار ایک ساتھ نمودار ہوئے۔ طاہر نے ان میں سے ایک کو گرالیا تو باقی دو گھوڑے روک کر مُڑنے کی کوشش کی لیکن اوپر سے یکے بعد دیگرے دو تیر آئے اور ایک تاتاری زخمی ہو کر گر پڑا۔ دوسرے نے اپنے گھوڑے کی پناہ لے کر جان بچائی۔ اور بلند آواز سے پیچھے آنے والے ساتھیوں کو باخبر کر دیا۔ جب تک طاہر نے دُوسرا تیر چڑھایا ،تاتاری گھوڑے سے کُود کر ایک پتھر کی آڑ میں بیٹھ چکا تھا اور بدستور بلند

آواز سے پیچھے آنے والے ساتھیوں کو پکار رہا تھا۔

طاہر اپنا مورچہ چھوڑ کر پتھروں کی آڑ لیتا ہو پہاڑی کے اُوپر سے گھاٹی کے موڑ کی دوسری طرف جا پہنچا۔ نیچے کوئی تیس چالیس گز کے فاصلے پر دو سوار گھوڑے روک کر موڑ کے دوسرے سرے سے پکارنے والے ساتھی کی باتوں کا جواب دے رہے تھے۔ طاہر پتھر کی آڑ میں بیٹھ گیا۔

یہ دونوں سوار ایک دوسرے سے تاتاری زبان میں کچھ کہنے کے بعد گھوڑوں سے اُتر پڑے اور انھیں ایک جھاڑی سے باندھنے کے بعد دونوں پہاڑی کی ایسی ڈھلوان پر پہنچ چکے تھے جس پر چھپنے کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ اچانک طاہر کی کمان سے یکے بعد دو تیر نکلے وہ دونوں لڑھکتے ہوئے کئی گز نیچے چلے گئے۔ طاہر پتھر کی آڑ سے سر نکال کر نیچے دیکھ رہا تھا اُسے اپنے سامنے ایک متحرک سایہ دکھائی دیا۔ اس نے جلدی سے مُڑ کر دیکھا اور اپنے جسم میں ایک کپکپاہٹ محسوس کی۔ دائیں ہاتھ چار یا پانچ قدم کے فاصلے پر ایک تاتاری ہاتھ میں تلوار لیے اس پر کودنے والا تھا۔

طاہر جلدی سے کمان پھینک کر اُٹھا۔ اس کا ہاتھ ابھی تلوار کے قبضے تک نہ پہنچا تھا کہ تاتاری نے جست لگا کر اس پر وار کر دیا۔ طاہر اچانک ایک طرف جُھکا اور تاتاری کی تلوار اس کے جسم کے ساتھ مس کرتی ہوئی پتھر سے جا ٹکرائی۔ تاتاری کے دوسرے وار سے پہلے طاہر ایک طرف کود کر اپنی تلوار نیام سے نکال چکا تھا۔

چند بار دونوں کی تلواریں آپس میں ٹکرائیں اور تاتاری اپنے حریف کو خطرناک سمجھتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگا۔ اس نے چند بار پاؤں جما کر لڑنے کی کوشش کی لیکن اس کی پیش نہ گئی۔ چٹان کے آخری سرے پر پہنچ کر طاہر کی تلوار اس کے سر پر لگی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا نیچے ایک کھڈ میں جا گرا۔

طاہر ایک لمحہ کے توقف کے بغیر پہاڑی سے نیچے اُترا اور جھاڑی کے ساتھ بندھے ہوئے دو گھوڑوں میں سے ایک پر سوار ہو گیا۔ جب وہ موڑ پر سے گزر رہا تھا تو اس کے تیروں سے زخمی ہونے والے تاتاریوں میں سے ایک نیم بسمل اپنا سر پتھر کے ساتھ پٹخ رہا تھا۔ طاہر نے گھوڑے سے اُتر کر اس کے ترکش سے تیر نکال کر اپنے ترکش میں ڈال لیے اور پھر سوار ہو گیا۔

طاہر گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا وادیوں اور پہاڑوں سے گزر رہا تھا۔ بعض دشوار گزار پہاڑوں میں اسے اپنے گھوڑے کی رفتار کم کرنا پڑی۔ راستے کے متعلق اسے کوئی علم نہ تھا۔ پہاڑی ندیوں میں پانی کی کمی نہ تھی۔ لیکن وہ بھوک سے نڈھال ہو رہا تھا۔ رات بھر کی سردی نے اس کے اعضا شل کر دیے تھے اور اب صبح کی دُھوپ کے باوجود سرد ہوا کے جھونکے ناقابل برداشت تھے۔ راستے میں چند ایسی بستیاں آئیں جہاں جلے ہوئے مکانات اور عورتوں، مردوں اور بچوں کی بے گور و کفن لاشیں تاتاریوں کی بربریت کی شہادت دے رہی تھیں

دوپہر کے وقت طاہر ایک وسیع میدان میں سے گزر رہا تھا۔ آسمان پر بادل چھا رہے تھے اور سردی ہر لحظہ زیادہ ہو رہی تھی۔ تیسرے پہر برف گرنے لگی۔ طاہر کا گھوڑا قریباً جواب دے چکا تھا اور گردن ڈھیلی چھوڑ کر آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ برف کے طوفان میں طاہر کو یہ معلوم نہ تھا کہ اس کا رُخ کس طرف ہے لیکن اُس نے رُکنے کی بجائے آگے بڑھنا مناسب سمجھا۔

عصر کے وقت گھوڑے نے برف پر گر کر دم توڑ دیا۔

طاہر نے بمشکل کوئی دو کوس راستہ پیدل طے کیا اور اس کی قوتِ برداشت جواب دینے لگی۔ برف کا طوفان بڑھتا جا رہا تھا اور رات سر پر کھڑی تھی۔ طاہر کے

دماغ پر غنودگی سی طاری ہو رہی تھی ۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ برف پر لیٹ کر سو جائے ۔لیکن اسے معلوم تھا کہ یہ نینداس کی آخری نیند ثابت ہو گی ۔وہ دل مضبوط کر کے تیزی کے ساتھ چلنے لگا لیکن چند قدم چلنے کے بعد اس کے اعضاء پھر ڈھیلے پڑ گئے ۔وہ نڈھال سا ہو کر برف پر بیٹھ گیا ۔لیکن انسان کی فطرت میں زندہ رہنے کی خواہش آخری وقت تک مایوسیوں سے جنگ کرتی ہے ۔طاہر ایک بار پھر اُٹھا ۔اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور انتہائی عاجزی کے ساتھ دُعا کی۔

''اے زمین و آسمان کے مالک! میری زندگی کا کوئی مقصد ابھی تک پورا نہیں ہوا ۔اب مجھ میں آگے بڑھنے کی ہمت نہیں ۔ میں تیری پناہ لینا چاہتا ہوں اور تجھی سے مدد مانگتا ہوں لیکن اگر میرے مقدر میں موت کے سوا کچھ نہیں تو مجھے ایک مومن کا حوصلہ عطا کر!''

اس دُعا کے بعد طاہر نے محسوس کیا کہ وہ زندگی کے بوجھ سے سبکدوش ہو چکا ہے ۔وہ بیٹھنے کو تھا کہ اچانک ایک آواز نے اس کی رگوں کے منجمد خون میں حرارت پیدا کر دی ۔ یہ ایک گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز تھی ۔ طاہر نے ادھر اُدھر دیکھا ۔کوئی پچاس قدم کے فاصلے پر ایک گھوڑا کان کھڑے کر کے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

طاہر بھاگتا ہوا گھوڑے کے قریب پہنچا ۔گھوڑا ایک دو قدم آگے بڑھ کر اس کے سینے سے اپنا منہ رگڑنے لگا ۔اس پر برف میں اٹی ہوئی زین دیکھ کر طاہر نے محسوس کیا کہ یہ کسی مسلمان مجاہد کا رفیق کارزار رہ چکا ہے۔

طاہر نے زین سے برف جھاڑ کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اسے اس کی مرضی پر

چھوڑ دیا۔گھوڑا چند قدم آگے چل کر پھر اپنی جگہ آ رُکا اور ایک اُبھری ہوئی جگہ پر سُم مارنے لگا۔طاہر نے جلدی سے نیچے اُتر کر برف ادھر اُدھر ہٹائی تو نیچے ایک انسان کی لاش تھی۔اس کی پسلی اور پیٹھ میں دو تیر پیوست تھے۔طاہر نے انا للہ و انا الیہ راجعون کہہ کر اس کا جسم پھر برف میں چھپا دیا اور گھوڑے کو تھپکی دے کر پھر اس پر سوار ہو گیا۔

زندگی کی نئی امید نے طاہر کے رگ و ریشے میں ایک نئی حرارت پیدا کر دی تھی۔اس نے کچھ دور چل کر گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھے ہوئے تھیلے میں ہاتھ ڈالا۔اس میں گوشت اور پنیر کے چند ٹکڑے تھے۔

پیٹ بھرنے کے بعد طاہر نے قدرے تقویت محسوس کی۔گھوڑا آہستہ آہستہ اپنی مرضی سے جا رہا تھا۔طاہر نے اس کا رُخ بدلنے یا اسے روکنے کی ضرورت نہ کی۔

ثریا

شام کے دُھندلکے میں طاہر ایک ویران بستی میں داخل ہوئے۔ اُجڑے ہوئے مکان گواہی دے رہے تھے کہ تاتاریوں کے سیلاب کی کوئی لہر اس بستی سے گزر چکی ہے۔ گھوڑے کی رفتار یہ ظاہر کر رہی تھی کہ آس پاس کا کوئی مکان اس کی منزل مقصود نہیں۔ طاہر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کسی مکان کے روزن سے روشنی کی جھلک تلاش کر رہا تھا۔ اکثر مکانوں کے دروازے کُھلے تھے اور ان کے سامنے برف کے ڈھیر یہ ظاہر کر رہے تھے کہ ان کے اندر کوئی نہیں۔

ایک مکان کے بند دروازے کے قریب پہنچ کر طاہر نے تلوار کی نوک سے ایک کواڑ اندر کی طرف دھکیلا، دروازہ کُھل گیا لیکن اندر سے گلی سڑی لاشوں کی ناقابل برداشت بدبو نے طاہر کا راستہ روک لیا۔

گھوڑے نے کان کھڑے کر کے گردن ہلائی اور آگے بڑھنے کی خواہش ظاہر کی۔ طاہر نے گھوڑے کو تھپکی دے کر اس کی باگ ڈھیلی چھوڑ دی اور کہا۔ میرے دوست! اب میری ہمت جواب دے رہی ہے اگر تمھیں کوئی گوشہ عافیت معلوم ہے تو جلدی پہنچو!

جب گھوڑا بستی سے باہر نکل رہا تھا، طاہر کو آخری بار خیال آیا کہ شاید گھوڑے کی فراست پر اعتماد کرنا عقل مندی نہ ہو۔ رات کی تاریکی لحظہ بہ لحظہ بڑھ رہی تھی۔ طاہر نے ایک بار گھوڑے کو روکا اور بلند آواز سے پکارنے لگا۔ کوئی ہے؟ کوئی ہے؟

اس کی آواز رات کے سناٹے میں فنا ہوگئی اور اس کے بعد ایک طرف سے بھیڑیوں کی چیخوں نے اس خیال کی تردید کر دی۔ اس کا گھوڑا پہلی بار ایک جُھرجھری لینے کے بعد ہنہنایا۔ اس کی ہنہناہٹ اپنے سوار سے یہ کہہ رہی تھی۔ مایوس

کیوں ہوتے ہو منزل آ چکی ہے۔

طاہر نے پھر گھوڑے کو اس کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ بستی سے تھوڑی دُور آگے جا کر گھوڑا گھنے درختوں میں گزرتا ہوا ایک ٹیلے پر چڑھنے لگا۔ برف باری اور تاریکی میں طاہر کے لیے دو قدم آگے دیکھنا بھی مشکل تھا۔

ٹیلے کی چوٹی پر ایک دیوار کے قریب پہنچ کر گھوڑا مڑا اور دیوار کے ساتھ ساتھ ایک طرف ہولیا اور چند قدم پر وہ ایک کھلے دروازے سے گزر کر ہنہناتا ہوا اندر داخل ہوا۔

طاہر کے سامنے ایک بلند مکان تھا۔ وہ قوت ارادی جس کے باعث وہ یہاں پہنچا تھا۔ اب جواب دے چکی تھی۔ جلتی ہوئی انگیٹھی کے سامنے لیٹ کر سو جانا اس کی سب سے بڑی خواہش تھی۔

مکان کی ڈیوڑھی کا دروازہ کھلا تھا لیکن اندر روشنی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ گھوڑا ڈیوڑھی میں داخل ہو کر رُک گیا۔ طاہر گھوڑے سے اُترا۔ اس کے پاؤں سُن ہو چکے تھے۔ ٹانگوں میں جسم کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہ تھی۔ اس نے سوچا شاید اس مکان میں بھی کوئی نہ ہو۔ شاید گھوڑے نے اس کی آخری منزل کے لیے اس بستی کے اُجڑے ہوئے مکانوں میں سے بہترین مکان منتخب کیا ہو۔ وہ اپنی ساری طاقت کے ساتھ چلانے لگا۔ کوئی؟ کوئی ہے؟ اور اس کی آواز پتھر کی دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر واپس آنے لگی۔ اس نے گھوڑے کو چھوڑ دیا اور دونوں ہاتھ پھیلا کر دیواروں کو ٹٹولتا اور بدستور چلاتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ ڈیوڑھی عبور کرنے کے بعد وہ ایک کمرے میں داخل ہوا اور اس کمرے کی دیوار کے ساتھ چلتا ہوا دوسرے سرے تک جا پہنچا لیکن کہیں سے اسے اپنی آواز کا جواب نہ آیا۔ معاً اسے خیال آیا کہ وہ ریت پر

امیدوں کا محل تعمیر کر رہا ہے۔اگر یہاں کوئی انسان ہوتا تو مکان کے تمام دروازے کھلے نہ ہوتے۔اس نے اپنے دل میں کہا۔اس وقت آگ کی ایک چنگاری میری جان بچاسکتی ہے۔لیکن آگ جلانے کے لیےاس کے پاس کچھ نہ تھا۔اچانک اس نے اپنے پاؤں کے نیچے کوئی نرم شے محسوس کی۔اس نے جھک کر ہاتھوں سے ٹٹولا تو یہ ایک پوستین تھی۔اس نے فرش پر بیٹھ کر پوستین اپنے گرد لپیٹ لی اور جلد ہی یہ محسوس کیا اس کی بدولت اس کی کھوئی ہوئی حرارت واپس نہیں آسکتی لیکن چند گھڑیاں پیشتر اس نے گھوڑے کو تائیدِ غیبی سمجھا تا۔اب بھی اس کا ضمیر یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے تنہا چھوڑ دے گا۔اسے یقین تھا کہ خدا نے اسے اپنی رحمت سے یہاں تک پہنچایا ہے۔خدا سے اس نے ایک اعلیٰ مقصد کے لیے زندہ رہنے کی دُعا کی تھی اور یہ مقصد یہاں پہنچ کر پورا نہیں ہوتا۔یہ مکان اس کی آخری منزل نہیں۔قدرت فقط اس کا امتحان لینا چاہتی ہے۔مایوس ہونا مومن کی شان نہیں۔یہ رات گزر جائے گی۔صبح کو سورج کی حرارت اسے نئی زندگی کا پیغام دے گی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس مکان کے کسی گوشے میں کوئی اللہ کا بندہ آگ جلا کر اس کا انتظار کر رہا ہو۔اس ذہنی کشمکش کے دوران اسے نماز کا خیال آیا۔اس نے جلدی سے تیمم کیا اور اپنی رہی سہی طاقت کو بروئے کار لاتے ہوئے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

نماز کی نیت کا ارادہ کرتے ہی اس کے دل میں خیال پیدا ہوا۔ہوسکتا ہے کوئی اس مکان کے کسی گوشے میں تاتاریوں کے خوف سے چھپ کر بیٹھا ہو!اس نے بلند آواز میں اذان دی اور ایک لمحہ انتظار کرنے کے بعد کسی کی آمد سے مایوس ہو کر نماز کی نیت باندھ لی۔

نماز میں محو ہونے کے بعد جسمانی تکلیف کا احساس آہستہ آہستہ کم ہوتا گیا۔

نماز ختم کرکے دُعا کے وقت کمرے میں اچانک دُھندلی سی روشنی دیکھ کر اس کا دل دھڑکنے لگا اس نے جلدی سے پیچھے مُڑ کر دیکھا۔

(۲)

ایک آٹھ سال کا بچہ ہاتھ میں مشعل لیے کھڑا تھا اور اس کے ساتھ ایک نوجوان تھا جس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔نوجوان کے چہرے میں غایت درجہ کی جاذبیت تھی۔لباس سے وہ ایک ترک سپاہی معلوم ہوتا تھا۔طاہر نے اپنی زندگی میں کسی انسان کا اس سے زیادہ دلفریب چہرہ نہیں دیکھا تھا۔وہ ایک لمحے کے لیے اس کی طرف مبہوت سا ہو کر دیکھتا رہا۔کمسن لڑکے اور اس نوجوان کی صورت میں کافی مشابہت تھی۔

طاہر نے یہ محسوس کہ خدا نے اس کی رہنمائی کے لیے آسمان سے دو فرشتے بھیجے ہیں۔دونوں پریشانی کی حالت میں اس کی طرف گھور رہے تھے۔طاہر نے السلام علیکم کہا۔کمسن لڑکے اور نوجوان نے ایک ساتھ اس کے سلام کا جواب دیا۔لیکن لڑکے سے زیادہ نوجوان کی آواز کا ترنم تھوڑی دیر کے لیے اس کے کانوں میں گونجتا رہا۔

نوجوان نے عربی زبان میں کہا۔اگر میں غلطی نہیں کرتا تو آپ عرب ہیں؟

طاہر نے حیران ہو کر سوال کیا۔آپ نے کیسے پہچانا؟

آپ کی اذان سن کر۔آپ کا لہجہ عربی تھا۔

طاہر نے کہا۔اور اگر میں بھی غلطی نہیں کرتا تو آپ کا لہجہ بھی عربوں سے زیادہ مختلف نہیں۔

نوجوان کے چہرے پر ایک ہلکی سی اُداس مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے

کہا، میری ماں عرب تھی لیکن یہ ایسی باتوں کا وقت نہیں ۔آپ برف کے طوفان سے گزر کر آئے ہیں ۔آیئے ہمارے ساتھ چلیے!

نوجوان کی آواز میں ایک موسیقی تھی ۔وہ موسیقی جو کانوں کے راستے دل کی گہرائیوں تک اُتر جاتی ہے۔

طاہر اُٹھ کر اس کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گیا۔نوجوان نے دو تین قدم اُٹھانے کے بعد رُک کر پوچھا۔لیکن رات کے وقت آپ یہاں کیسے پہنچے؟

طاہر نے جواب دیا۔ مجھے یہاں سے چند کوس دُور برف میں پڑے ہوئے ایک مسلمان سپاہی کا گھوڑا مل گیا اور اس گھوڑے نے مجھے یہاں پہنچا دیا۔

نوجوان کے چہرے پر رنج و افسوس کے آثار ظاہر ہوئے اس نے کہا۔آپ نے اچھی طرح دیکھا ہے، وہ سپاہی زخمی تھا یا برف کے طوفان کے باعث ہلاک ہوا ہے؟

وہ زخمی تھا، اگر وہ آپ کا کوئی عزیز تھا تو مجھے افسوس ہے۔

نوجوان نے کہا۔وہ ہمارا پُرانا خادم تھا۔میں نے آج اسے ایک ضروری پیغام دے کر سمرقند روانہ کیا تھا لیکن آپ کے ہونٹ نیلے ہو رہے ہیں ۔آیئے ہمارے ساتھ یہ جگہ محفوظ نہیں۔

کمسن لڑکا شمع لیے ہوئے آگے چل دیا۔دو کمروں میں سے گزر کر یہ لوگ ایک تنگ کوٹھڑی میں داخل ہوئے ۔نوجوان نے اس کوٹھڑی کے ایک کونے سے پتھر کے فرش کی ایک سل اُٹھائی ۔سل کے نیچے ایک شگاف تھا جس میں سے ایک آدمی با آسانی نیچے اُتر سکتا تھا۔اس شگاف سے لکڑی کی سیڑھی نیچے اُترتی تھی ۔پہلے کمسن لڑکا اور اس کے بعد طاہر اس سیڑھی سے نیچے اُتر کر ایک تہ خانے میں داخل ہوئے ۔

سب سے آخر میں نوجوان نے سیڑھی پر پاؤں رکھ کر اوپر کا شگاف اسی سل سے بند کردیا۔

تہ خانے کے ایک کونے میں آگ جل رہی تھی ۔فرش پر ایک خوب صورت قالین بچھا ہوا تھا اور ایک طرف تین چار پوستینیں پڑی ہوئی تھیں ۔نوجوان نے طاہر کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔آپکو بھوک لگ رہی ہوگی۔ہمارے پاس گوشت کے چند سوکھے ٹکڑوں کے سوا کچھ نہیں ۔

مجھے آپ کے ملازم کے تھیلے سے کھانے کو بہت کچھ مل گیا تھا۔اس وقت مجھے آگ سے زیادہ کسی شے کی ضرورت نہیں یہ کہتے ہوئے طاہر نے اپنے موزے اُتار کر آگے کے سامنے پاؤں پھیلا دیے۔کمرہ کافی گرم تھا۔طاہر بیٹھے بیٹھے لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ گہری نیند سو رہا تھا۔نوجوان نے اُٹھ کر اس پر پوستین ڈال دی۔

(۳)

ایک میٹھی اور دل کش آواز سن کر طاہر نے آنکھیں کھولیں اور پریشانی کی حالت میں اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔میں کہاں ہوں؟اور پھر شمع کی روشنی میں جگانے والے نوجوان کو پہچان کر اپنے سوال کا جواب انتظار کیے بغیر بولا۔کیا صبح ہوگئی؟

نوجوان نے جواب دیا۔اب تو دوپہر ہونے والی ہے۔آپ بہت دیر سوئے ہیں۔

لیکن ابھی تک کافی اندھیرا ہے۔

آپ اس مکان کے تہ خانے میں ہیں ۔دن کی روشنی یہاں تک نہیں پہنچتی ۔

طاہر کی آنکھوں سے نیند کا خمار آہستہ آہستہ اتر رہا تھا۔لیکن گزشتہ جسمانی کوفت کا اثر ابھی تک باقی تھا۔اس نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔رات کے وقت

آپ سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔لیکن مجھے اچانک نیند نے آدبایا۔اب آپ بتائیے،آپ یہاں کیا کرر ہے ہیں؟اور وہ آپ کا نوکرآپ کو چھوڑ کر کہاں جا رہا تھا؟ میرے خیال میں یہاں ٹھہرنا بہت خطرناک ہے۔ہمیں بہت جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے۔

نوجوان نے جواب دیا۔میں بھی آپ سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن یہ اچھا ہوا کہ آپ کو فوراً نیند آگئی۔میرے والد اس شہر کے حاکم تھے،سُلطان کی شکست کے بعد آس پاس کی دوسری بستیوں کی طرح اس شہر میں بھی خوف و ہراس پھیل گیا اور لوگ اپنے بال بچوں کے ساتھ بلخ،بخارا اور سمرقند کی طرف ہجرت کر گئے۔میں نے اپنے باپ کے ساتھ رہنے پر اصرار کیا لیکن انھوں نے میرے چھوٹے بھائی اسماعیل کی خاطر مجھے ایک قافلے کے ساتھ بلخ جانے پر مجبور کیا۔بلخ میں میرا نانا ایک مشہور تاجر ہے۔ہمارے قافلے کی تعداد دو سو کے لگ بھگ تھی جن میں زیادہ عورتیں اور بچے تھے۔اس شہر سے کوئی بیس کوس کے فاصلے پر رات کے وقت ہمارے قافلے پر تاتاریوں کے ایک دستے نے حملہ کر دیا۔مردوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن ان کی کچھ پیش نہ گئی۔وہ سب ایک ایک کر کے کٹ گئے۔بعض عورتوں نے بھی لڑ کر جان دی اور باقی زندہ پکڑ لی گئیں،میرے سامنے سب سے بڑا مسئلہ اسماعیل کو بچانا تھا، دہشت کی حالت میں اس کی چیخیں میرے لیے ناقابل برداشت تھیں۔والد نے مجھے اپنے اصطبل کا بہترین گھوڑا دے رکھا تھا۔میں نے اسماعیل کو خچر سے اُتار کر اپنے پیچھے بٹھا لیا اور گھوڑے کو سرپٹ چھوڑ دیا۔گھنے جنگل اور رات کی تاریکی کے باعث تاتاری میرا پیچھا نہ کر سکے لیکن مجھے اپنی بہنوں کی وہ جگر دوز چیخیں جو میں نے فرار ہوتے وقت سُنی تھیں،کبھی نہ بھولیں گی۔

نوجوان یہاں تک کہہ کر رُک گیا۔ اس کی بڑی بڑی حسین آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے۔ طاہر اس کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔ کمسن لڑکا چپ چاپ ایک کونے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے مغموم چہرے پر گزشتہ واقعات کی یاد کے تکلیف دہ آثار پیدا ہو رہے تھے۔ طاہر نے بیٹھے بیٹھے اس کی طرف ہاتھ پھیلا دیے۔ لڑکے نے اس کی طرف دیکھا۔ ایک لمحہ تذبذب کے بعد اپنی جگہ سے اُٹھا اور چند سسکیاں لینے کے بعد بھاگ کر طاہر کے ساتھ لپٹ گیا۔ تھوڑی دیر اس نے ہونٹ بھینچ بھینچ کر سسکیاں ضبط کرنے کی کوشش کی لیکن جب طاہر نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اُسے تسلی دینے کی کوشش کی تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

طاہر نے کہا۔ ڈرو نہیں ہم بہت جلد کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائیں گے۔

لڑکے نے کہا۔ لیکن راستے میں تاتاری ہوں گے۔ وہ بچوں کو کھا جاتے ہیں۔

نہیں نہیں۔ تمھیں کسی نے غلط بتایا ہے۔

نوجوان نے طاہر سے مخاطب ہو کر کہا۔ اسماعیل مجھے تسلیاں دیا کرتا تھا۔ آج خدا جانے اسے کیا ہو گیا ہے۔

طاہر نے نوجوان کے کی طرف غور سے دیکھا اور کہا، اگر میں غلطی نہیں کرتا تو آپ اسماعیل کی بہن ہیں، بھائی نہیں۔

نوجوان کے چہرے پر اچانک زردی چھا گئی اور اس نے آنکھیں جُھکا لیں۔

طاہر نے کہا، گھبرائیے نہیں۔ آپ کی عزت اور حفاظت میرا فرض ہے۔ آپ نے اپنی سرگزشت ابھی ختم نہیں کی۔

جب لڑکی نے دوبارہ طاہر کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ اس نے آستین سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ کاش! اس بے کسی اور

مایوسی کے زمانے میں قدرت ہماری قوم کی بیٹیوں کو مرد بنا دیتی ۔تاتاریوں سے بچ کر ہم پھر گھر واپس پہنچ گئے ۔تیسرے دن ابا جان کو یہ اطلاع ملی کہ تاتاری سپاہیوں کے دستے شہر پر حملہ کرنے والے ہیں ۔ابا جان کے پاس صرف چار سو سپاہی تھے، بعض افسروں نے انھیں مشورہ دیا کہ اس مختصر فوج کے ساتھ تاتاریوں کا مقابلہ کرنا خودکشی ہے ۔لیکن وہ بہت غیور تھے ۔انھوں نے شہر چھوڑنا گوارا نہ کیا ۔ابا جان کو جاسوسوں کی بدولت یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اس شہر کا رخ کرنے والے تاتاریوں کی تعداد زیادہ نہیں اور انھیں یقین تھا کہ وہ چند دن تک انھیں شہر سے دور رکھ سکیں گے ۔اتنی دیر میں بلخ یا سمرقند سے کمک ضرور پہنچ جائے گی ۔لیکن قوقند کے متعلق جو افواہیں مشہور ہو رہی تھیں ۔انھوں نے شہر کے لوگوں کو بہت بد دل کر دیا ۔بعض افسر ابا سے یہ کہتے تھے کہ سلطان نے تیمور ملک کو کوئی کمک نہیں بھیجی پھر آپ کیسے مدد کی توقع رکھتے ہیں؟ ابا جان کا آخری جواب یہ تھا کہ میں اپنا فرض پورا کروں گا ۔شام کے وقت انھوں نے فوج کو حکم دیا کہ وہ علی الصبح شہر سے باہر نکل کر تاتاریوں کا مقابلہ کرے لیکن صبح تک قریباً دو سو سپاہی شہر چھوڑ کر بھاگ گئے ۔یہاں تک کہ ہمارے محل کے ملازموں میں سے بھی اکثر نے بھاگنے والوں کا ساتھ دیا ۔

صبح کے وقت رُخصت ہونے سے پہلے ابا جان نے پہلی مرتبہ ہمیں اس تہ خانے کا خفیہ راستہ بتایا اور علی کو ہمارے ساتھ چھوڑ دیا ۔علی ہمارا پُرانا ملازم تھا ۔ابا جان نے ہمارے لیے چند دن کی خوراک اس تہ خانے میں جمع کر دی اور ہمیں بتایا کہ اگر انھیں شکست بھی ہو تو ہم اس تہ خانے سے بھاگنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ تاتاری کسی کو بھاگنے کا موقع نہیں دیا کرتے ۔انھیں امید تھی کہ خوارزم کی افواج تیاری کے بعد اس طرف ضرور آئیں گی ۔

علی کے سوا باقی نوکروں میں سے کسی کو ہمارے اس تہ خانے میں روپوش ہونے کا علم نہ تھا۔ دو دن تک ہم اس تہ خانے میں چھپے رہے۔ محل کے رہے سہے خادم بھی بھاگ گئے۔ علی ہمیں باہر کے حالات سے باخبر بھاگ گئے۔ علی ہمیں باہر کے حالات سے باخبر رکھتا۔ تیسری شام ابا جان کا گھوڑا خالی واپس آیا اور اسی رات تاتاریوں نے شہر میں داخل ہو کر رہی سہی آبادی کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

دو دن تاتاری اس محل کو اپنا مرکز بنا کر آس پاس کی بستیوں میں لوٹ مار کرتے رہے اور ہم علی کے ساتھ اس جگہ چھپے رہے۔ یہ دو دن ہمارے لیے برسوں سے زیادہ طویل تھے۔ تیسرے دن انھوں نے یہ شہر خالی کر دیا۔ محل میں مکمل سکوت تھا لیکن ہم نے رات تک انتظار کیا۔ رات کے وقت علی سُرنگ کے راستے باہر نکلا اور اس نے واپس آ کر ہمیں تسلی دی۔ چنانچہ ہم نے ناقابلِ برداشت سردی میں پہلی بار یہاں آگ جلائی۔ صُبح ہوئی تو علی سرنگ کے راستے پھر باہر نکلا اور اس نے واپس آ کر اطلاع دی کہ ہمارے اصطبل کا ایک گھوڑا باہر چر رہا تھا اور وہ اسے پکڑ کر اصطبل میں باندھ آیا ہے۔ اس کے بعد چار دن تک ہم یہ دعائیں کرتے رہے کہ مسلمانوں کی کوئی فوج اس طرف آ نکلے۔ پرسوں رات ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ علی الصباح اس مقام کو خیرباد کہہ کر بلخ کی طرف روانہ ہو جائیں۔ ممکن ہے کہ راستے کی کسی فوجی چوکی سے مدد مل جائے لیکن پچھلے پہر برف باری کے آثار دیکھ کر میں نے سمرقند کے گورنر کے نام یہ درخواست لکھی کہ ہمیں یہاں سے نکال کر بلخ پہنچانے کے لیے فوج کا ایک دستہ بھیجا جائے۔ علی میری درخواست لے کر کل روانہ ہوا۔ اب وہ گھوڑا جس پر آپ ہوئے ہیں، میں دیکھ آئی ہوں، علی اسی پر سوار ہو کر گیا تھا۔ میرے خیال میں وہ کسی تاتاری سفا کی کا شکار ہوا ہے۔

اب شاید خدا نے آپ ہماری مدد کے لیے بھیجا ہے۔آپ کہاں سے آئے ہیں؟ طاہر نے مختصراً اپنی سر گزشت سنائی اور اختتام پر لڑکی سے کہا، میں ذرا باہر جا کر موسم کا حال دیکھنا چاہتا ہوں۔

محل میں تاتاریوں کی آمد کا ہر وقت خطرہ ہے۔اس لیے باہر جانے کا محفوظ راستہ یہ سرنگ ہے۔یہ کہتے ہوئے لڑکی نے تہ خانے کی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی لوہے کی ایک چرخی کو گھمانا شروع کیا۔معمولی کھڑکھڑاہٹ کے ساتھ ایک سل آہستہ آہستہ ایک طرف کھسک گئی اور دیوار میں ایک قابل گزر شگاف پیدا ہو گیا۔

(۴)

تہ خانے کی دُھندلی سی روشنی کے مقابلے میں سرنگ بہت تاریک تھی۔لڑکی اور اس کا بھائی کسی جھجک کے بغیر آگے جا رہے تھے لیکن طاہر جھجک جھجک کر قدم اُٹھا رہا تھا۔کہیں کہیں سرنگ کے دونوں جانب زمین کھود کر کشادہ کمرے بنائے گئے تھے۔طاہر کوئی پچاس گز چلنے کے بعد اصل راستہ چھوڑ کر ایک کمرے میں گھس گیا۔اتنی دیر میں لڑکی اور اس کا بھائی کچھ دُور نکل گئے۔طاہر پریشانی کی حالت میں کمرے کی دیواریں ٹٹول رہا تھا کہ لڑکی کی آواز آئی آپ کہاں ہیں؟

طاہر نے جواب دیا۔مجھے راستہ نہیں ملتا۔

لڑکی نے پلٹ کر اپنے بھائی سے کہا۔اسماعیل! ان کا ہاتھ پکڑ لو۔

اسماعیل نے طاہر کا ہاتھ پکڑتے ہوئے۔میرے ساتھ آئیے میں تاریکی میں دیکھنے کا عادی ہو چکا ہوں۔

طاہر نے کہا۔ان کمروں میں اچھی خاصی فوج رہ سکتی ہے۔

لڑکی نے جواب دیا۔ہاں! لیکن کاش ہمارے پاس کافی فوج ہوتی!

ایک جگہ پہنچ کر لڑکی رُک گئی اور اس نے کہا اب ذرا سنبھل کر چلیں ۔آگے چشمہ ہے۔اسماعیل تم میرا ہاتھ پکڑ لو۔

تینوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر چند قدم آگے بڑھے تو تاریکی کم ہونے لگی ۔دائیں ہاتھ مُڑنے کے بعد دو تین قدم چل کر لڑکی پھر رُک گئی ۔یہاں روشنی کافی تھی ۔طاہر نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹے سے تالاب کے کنارے کھڑا ہے۔ایک چٹان سے پانی کی دھار پھوٹ کر اس تالاب میں گر رہی تھی اور تالاب کا فالتو پانی سُرنگ کے راستے نکل رہا تھا۔پانچ چھ قدم آگے یہ سرنگ ختم ہو جاتی تھی اور یہ آخری حصہ بہت تنگ تھا۔

پانی کی گہرائی ایک بالشت سے بھی کم تھی ۔لڑکی کی تقلید میں اسماعیل اور طاہر اُبھرے ہوئے پتھروں پر پاؤں رکھ کر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے سرنگ سے باہر نکلے ان کے سامنے درختوں سے ڈھکی ہوئی گہری اور تنگ وادی تھی ۔برف باری تھم چکی تھی لیکن مطلع ابر آلود تھا۔درخت،پتھر اور زمین کی ہر شے برف سے ڈھکی ہوئی تھی ۔

سرنگ سے نکلتا ہوا پانی ایک چھوٹی سی ندی بناتا اور سنگ ریزوں سے ٹکرا کر ایک دل کش نغمہ پیدا کرتا ہوا اس تنگ وادی کے درمیان ایک بڑی ندی سے جا ملتا تھا ۔طاہر تھوڑی دیر کے لیے ایک دلکش منظر میں کھو گیا۔اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔تھوڑی دیر کے لیے نادانستہ طور پر اس کی نگاہیں لڑکی کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں ۔وہ حسین تھی ،شبنم میں دُھلے ہوئے پھول سے زیادہ حسین،مصور فطرت نے برف کا حسین مجسمہ بنا کر اس میں گلابی رنگ بھر دیا تھا۔حزن وملال نے اس کا چہرہ بادل کے ہلکے سے نقاب میں چھپے ہوئے چاند سے زیادہ دلکش بنا دیا تھا۔لڑکی منہ پھیر کر بے توجہی سے اپنے بھائی کی طرف دیکھنے لگی اور طاہر کے مُنہ سے

بے ساختہ یہ الفاظ نکل گئے۔ تمھارا نام کیا ہے؟

ثریا۔ اس نے جواب دیا اور پریشان سی ہو کر طاہر کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی نگاہیں یہ کہہ رہی تھیں۔ دیکھو! میں تمھاری پناہ میں ہوں لیکن ایک غیور باپ کی بیٹی ہوں!

طاہر نے اپنے جسم میں ایک کپکپی سی محسوس کی اور مُنہ پھیر لیا۔ کچھ دیر سر جُھکا کر سوچنے کے بعد وہ بولا۔ مجھے بہت جلد بغداد پہنچنا ہے لیکن اس سے پہلے میں آپ کو بلخ پہنچادوں گا۔ ہم مطلع صاف ہوتے ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ اس وادی سے باہر نکلنے کا راستہ کون سا ہے؟

لڑکی نے اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ اس طرف سے سامنے کی پہاڑی عبور کرنے کے بعد!

طاہر نے کہا۔ اگر سُورج نکل آیا تو ہم کل روانہ ہو جائیں گے۔

لڑکی نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا۔ ابھی شاید اور برف پڑے۔

طاہر نے کہا۔ آپ تھوڑی دیر یہاں ٹھہریں میں اوپر جا کر دیکھ آؤں شاید؟

شاید کیا؟ لڑکی نے پوچھا

کچھ نہیں

آپ کا خیال ہو گا کہ شاید مسلمانوں کی فوج نظر آجائے۔ میں بھی صبح وشام یہی خواہش لے کر اس پہاڑی پر جایا کرتی تھی۔

طاہر نے کہ آپ کا تہ خانہ تو کافی محفوظ ہے لیکن کیا بستی کے لوگوں میں کسی کو بھی پتہ نہ تھا؟

ثریا نے جواب دیا۔ نہیں اس وادی کے گرد ہمیشہ پہرہ رکھا جاتا تھا۔ ابا جان

نے جب یہ تہ خانہ اور سرنگ دکھائی تو مجھے احتیاط کی وجہ معلوم ہوئی۔

بہت اچھا۔ میں ابھی آتا ہوں۔ طاہر یہ کہہ کر برف پر پاؤں رکھنے لگا تھا کہ لڑکی نے جلدی سے کہا۔نہیں نہیں، ٹھہریے، اس سرنگ کے قریب برف پر پاؤں کے نشان نہ چھوڑیے، آپ ندی میں سے گزر کر جائیے۔

طاہر ثریا کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے پانی میں چلتا ہوا بڑی ندی تک پہنچا اور بڑے بڑے پتھروں پر پاؤں رکھ کر اسے عبور کرنے کے بعد پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ کر اُس نے چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن اسے برف کی سفید چادر پر کوئی متحرک شے نظر نہ آئی۔جب وہ نیچے اتر کر اپنے ساتھیوں کے قریب پہنچا تو برف باری پھر شروع ہو چکی تھی۔طاہر بھوک کی شدت محسوس کر رہا تھ۔

دوبارہ تہ خانے میں پہنچنے کے بعد ثریا نے گوشت کے چند ٹکڑے اور تھوڑا سا خشک میوہ ایک طشتری میں ڈال کر طاہر کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔آپ کو بھوک تو ضرور ہوگی۔آپ نے رات کے وقت بھی کچھ نہ کھایا تھا۔

طاہر نے جواب دیا۔شام کو مجھے آپ کے نوکر کے تھیلے سے کافی کھانا مل گیا تھا۔مجھے گھوڑے کی فکر ہے۔میں اسے اسی حالت میں چھوڑ آیا تھا۔

میں علی الصبح اوپر جا کر اسے اصطبل میں چھوڑ آئی تھی۔وہاں سُوکھی گھاس کافی ہے۔یہ کہہ کر ثریا اپنے بھائی کی طرف متوجہ ہوئی۔اسماعیل! تم ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاؤ۔

اسماعیل طاہر کے ساتھ بیٹھ گیا۔طاہر نے گوشت کے ٹکڑے کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن پھر کھینچ لیا اور ثریا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔لیکن آپ؟

ثریا نے کہا۔آپ میری فکر نہ کیجیے۔میں بہت سویرے کھالیا کرتی ہوں۔

اسماعیل آج ذرا دیر سے اُٹھا تھا اس لیے یہ ابھی تک بھوکا ہے۔

طاہر نے ایک نوالہ مُنہ میں ڈالتے ہوئے لڑکے سے کہا۔ اسماعیل کھاؤ۔

لیکن اسماعیل مضطرب ہو کر اپنی بہن کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ثریا نے ذرا آگے بڑھ کر لڑکے کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرے ہوئے کہا۔

اسماعیل! کھاتے کیوں نہیں؟

کمسن بچے کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ کپکپاتے ہوئے ہونٹوں کو بھینچنے کی کوشش کرتا ہوا دونوں ہاتھ پھیلا کر ثریا سے لپٹ گیا۔ میں نہیں کھاؤں گا، میں نہیں کھاؤں گا۔ اس نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا۔

طاہر نے محسوس کیا کہ کوئی تلخ شے اس کے حلق سے اُتر گئی ہے۔ اس نے طشتری اُٹھا کر ثریا کے سامنے رکھ دی اور کہا۔ میں اپنا حصہ کھا چکا ہوں۔

ثریا نے کہا نہیں نہیں۔ آپ بھوکے ہیں۔

طاہر نے کہا۔ ایک عرب ماں کی بیٹی سے مجھے یہی توقع تھی لیکن میں اب آپ کا مہمان نہیں محافظ ہوں، مجھے شام کے وقت پیٹ بھر کر کھانے کے لیے مل گیا تھا لیکن آپ نے شاید شام کو بھی بہت تھوڑا کھایا ہو۔

طاہر نے اُٹھ کر کمان سنبھال لی اور ترکش گلے میں ڈالتے ہوئے کہا۔ آپ یہ کھالیں۔ میں انشاءاللہ جلد واپس آجاؤں گا۔ اگر بستی میں کوئی شے نہ ملی تو شاید باہر سے کوئی شکار مل جائے۔

ثریا نے کہا۔ بستی میں انسانی لاشوں کے سوا تاتاری سب کچھ چٹ کر گئے ہیں اور اس موسم میں شاید شکار بھی نہ ملے۔

طاہر نے کہا۔ مجھے یقین ہے کہ خدا نے ہمیں بھوکوں مرنے کے لیے یہاں

اکٹھا نہیں کیا۔ میں انشاء اللہ خالی نہیں آؤں گا۔ آپ شام کی فکر کیے بغیر یہ کھانا کھا لیں۔

ثریا نے کہا۔ اگر آپ کو خدا کی رحمت پر اس قدر بھروسہ ہے تو کم از کم اپنا حصہ کھا کر جائیں۔

طاہر نے جُھک کر گوشت کا ایک ٹکڑا منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ بس! میں نے اپنا حصہ لے لیا ہے۔

لڑکی نے کہا۔ میں آپ کو باہر پہنچا آتی ہوں۔

نہیں۔ میں نے راستہ دیکھ لیا ہے۔ یہ کہہ کر طاہر سرنگ کے راستے باہر نکل گیا۔

طاہر کے جانے کے بعد ثریا نے کہا۔ اسماعیل! اب کھا لو۔

کمسن لڑکے نے جواب دیا۔ تمھارے بغیر نہیں کھاؤں گا۔

ثریا نے طشتری میں پڑی ہوئی اشیاء میں سے تیسرا حصہ نکال کر علیحدہ رکھ دیا اور کہا۔ یہ اُن کا حصہ۔ جب وہ آئیں گے انھیں بہت بھُوک ہوگی اور یہ میرا اور تمھارا حصہ ہے۔

(۵)

دوپہر کے وقت مطلع صاف ہو چکا تھا اور سُورج کی روشنی میں برف کی چمک آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ ہوا ساکن ہونے کی وجہ سے موسم قدرے خوش گوار تبدیلی ہو رہی تھی۔ ثریا اور اسماعیل سرنگ سے باہر چند درختوں کے درمیان ایک پتھر پر بیٹھے طاہر کا انتظار کر رہے تھے۔ برف پگھلنے سے درختوں کی ٹہنیاں آہستہ آہستہ ننگی ہو رہی تھیں۔ سامنے وادی کے درمیان ندی کا پانی آہستہ آہستہ زیادہ ہو رہا تھا۔

اسماعیل نے کہا۔ آپا وہ ابھی تک نہیں آئے۔ ایسی دھوپ میں شکار ضرور مل جاتا ہے۔

ثریا نے جواب دیا۔ خدا سے دعا کرو۔

وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ اگر ابا جان ہوتے تو انھیں اپنی فوج کا سالار بنا لیتے ۔لیکن آپا اگر انھیں شکار کی بجائے تاتاری مل گئے تو؟

خدا ان کی مدد کرے گا۔

اگر ہمیں یہاں کسی تاتاری نے دیکھ لیا تو؟

یہاں ہمیں اوپر سے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

اگر انھیں تاتاریوں نے پکڑ لیا اور انھوں نے اپنی جان بچانے کے لیے تاتاریوں کو ہمارا پتہ دے دیا تو؟

چُپ رہو۔ اپنے مہمانوں کے متعلق ایسی باتیں نہیں سوچا کرتے۔

اگر پھر برف باری شروع نہ ہوئی تو ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔

انشاءاللہ!

اسماعیل خاموش ہو گیا لیکن تھوڑی دیر بعد وہ چلانے لگا۔ وہ آ گئے! وہ آ گئے!! آپا! آپا!! اُدھر دیکھو وہ پہاڑی دُنبہ لا رہے ہیں۔ دیکھو آپا۔ دیکھو وہ کتنا بڑا ہے۔ وہ اسے بڑی مشکل سے اٹھا کر چل رہے ہیں۔ آگ بجھ تو نہیں گئی ہو گی؟

ثریا نے درخت کی آڑ سے ایک طرف ہو کر دیکھا۔ طاہر کندھے پر ایک پہاڑی دنبہ اٹھائے ندی عبور کر رہا تھا۔

اسماعیل نے پھر کہا۔ آپا! آگ تو نہیں بجھ گئی ہو گی، مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔

ثریا نے کہا۔تم تو کہتے تھے کہ تم بالکل سیر ہو گئے ہو؟

میں یہ نہ کہتا تو آپ اپنا حصہ بھی نہ کھاتیں ۔لیکن اب تو خدا نے دُنبہ بھیج دیا ہے۔آپا یہ بہت اچھے آدمی ہیں ۔

طاہر نے سرنگ کے قریب پہنچ کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا آپ جلدی اندر چلیں ۔مجھے ڈر ہے کہ آس پاس تاتاریوں کا کوئی گروہ نہ ہو۔یہ دُنبہ میرے تیر کا نشانہ بننے سے پہلے زخمی تھا۔

تھوڑی دیر بعد جب تہ خانے میں ثریا دنبے کا گوشت بھون رہی تھی ، اسماعیل طاہر کے قریب آگ کے سامنے بیٹھ کر بار بار بے قراری کے ساتھ یہ کہہ رہا تھا۔آپا! اب پک گیا ہوگا۔

طاہر کی گزشتہ جسمانی تکالیف اور ذہنی پریشانیوں کے بعد اس تنگ و تاریک تہ خانے میں ایک طرح کی آسودگی محسوس کر رہا تھا تاہم مستقبل کے متعلق ایک چبھتا ہوا احساس اسے کبھی کبھی پریشان کر دیتا۔کبھی کبھی اسے خیال آتا کہ وہ اڑ کر بغداد پہنچ جائے اور وہاں اُونچے لیکن خاموش ایوانوں میں ایک ہنگامہ محشر اور کھڑے پانی کی سی زندگی میں ایک ارتعاش پیدا کر دے ۔وہ تصور میں بغداد کی مساجد میں لاکھوں مسلمانوں کے سامنے پُر جوش تقریریں کر رہا تھا۔کبھی وہ بغداد کی ایک بے پناہ فوج کے ساتھ خوارزم شاہ کے جھنڈے تلے تاتاریوں کا مقابلہ کر رہا تھا، کبھی وہ خلیفہ اور وزیر اعظم کو آنے والے خطرات سے آگاہ کرنے کے بعد ان کی بے حسی سے مایوس ہو کر انھیں جلی کٹی سُنا رہا تھا اور کبھی تصور میں وحید الدین کو خلیفہ کے سامنے مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کر کے نہایت زوردار الفاظ میں اس کا جُرم ثابت کر رہا تھا۔

طرح طرح کے خیالات کے ہجوم میں اسے کبھی کبھی اسماعیل کی کسی بات کے

جواب میں ثریا کی آواز سُنائی دیتی۔ یہ آواز جو موسم بہار کا پیام لانے والے پرندوں کے ترانے سے کہیں زیادہ میٹھی، دل کش اور دل فریب تھی۔ وہ آگ کی دھیمی روشنی کے سامنے اس کا خوب صورت چہرہ دیکھتا اور ایک لمحے کے لیے اس کے دل کا اضطراب لطیف دھڑکنوں میں تبدیل ہو جاتا۔ اس کے سامنے ایک نئی دنیا آجاتی، وہ دنیا جس میں آنکھیں کھولنے کے بعد ہر انسان گوشہ عافیت تلاش کرتا ہے۔ اپنے سے زیادہ کسی ایسے وجود کے لیے جس کی مسکراہٹ میں اسے زندگی کے طوفانوں سے پناہ ملتی ہے۔

صبح کی کُہر میں لپٹے ہوئے سُورج کی دُھندلی شعاعوں کی طرح غم کے بادلوں نے ثریا کے چہرے کو زیادہ دلفریب بنا دیا تھا۔ حیا کے ہزاروں پردوں میں چھپی ہوئی ملول نگاہیں طاہر کو جو پہلا اور آخری پیغام دے چکی تھیں، وہ یہ تھا کہ ہم ایک دوسرے کے لیے ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے کی ضرورت ہے طاہر محسوس کر رہا تھا کہ اس صورت سے ملتی جلتی ایک دھندلی سی تصویر اس کے دل میں پہلے بھی موجود تھی۔ ایسی آواز وہ پہلے بھی سُن چکا تھا۔

طاہر شاہراہ حیات کی اس منزل پر تھا جہاں پہنچ کر انسان کی کی رفاقت کی احتیاج محسوس کرتا ہے جہاں کسی دوشیزہ کی مسکراہٹ اسے واپس دلانا اس کے لیے کائنات کا سب سے بڑا مسئلہ بن جاتا ہے لیکن وہ ان لوگوں میں سے تھا جو پھولوں سے کھیلنے کی بجائے کانٹوں کو مسلنے میں زندگی کی صحیح لذت محسوس کرتے ہیں۔ جنھیں رباب کی تانوں سے زیادہ تلواروں کی جھنکار زیادہ دل کش محسوس ہوتی ہے، جو اپنے لیے جینے کی بجائے دوسروں کے لیے مرنا سعادت سمجھتے ہیں اور کسی ایک پھول کو اپنی آنکھوں کے لیے سامانِ تسکین بنانے کی بجائے اپنے خون سے ہزاروں پودوں کو

سیراب کرتے ہیں ثریا کی طرح خوارزم کی اور ہزاروں لڑکیوں کی بے کسی کے تصور نے طاہر کے جسم میں ایک کپکپاہٹ سی پیدا کر دی۔ اسے قوم کی ان ہزاروں بے کس بہنوں اور ماؤں کی جگر دوز چیخیں سنائی دینے لگیں جن کے دامن عصمت کی طرف وحشی تاتاریوں کے ہاتھ بڑھ رہے تھے۔ جو پھٹی پھٹی نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھ کر کہہ رہی تھیں۔ ہماری عصمت کے رکھوالے کہاں گئے؟ ہمارے غیور بیٹوں اور بہادر بھائیوں کو کیا ہو گیا؟

طاہر نے چونک کر کہا۔ ہم کل پچھلے پہر یہاں سے روانہ ہو جائیں گے!

ثریا تھوڑی دیر کے لیے سوچ میں پڑ گئی اور طاہر نے پھر کہا۔ ہمیں صرف دو تین منازل میں خطرہ ہے، اس کے شاید کسی چوکی سے مدد مل جائے۔

ثریا نے کہا۔ مجھے صرف اسماعیل کا خیال ہے۔ ہمارے پاس صرف ایک گھوڑا تھا اور وہ بھی مر چکا ہے۔

مر چکا ہے؟ آپ نے کب دیکھا؟

جب آپ شکار کے لیے گئے تھے، میں وہاں دوبارہ گئی تھی۔ مجھے وہ صبح کے وقت بھی بیمار معلوم ہوتا تھا۔

طاہر گہری سوچ میں پڑ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اسماعیل نے کہا۔ آپ میری وجہ سے پریشان نہ ہوں میں پیدل چل سکتا ہوں۔

ثریا نے کہا۔ آپ کو یہ امید نہیں کہ خوارزم کی افواج دوبارہ اس طرف آئیں گی؟

طاہر نے جواب دیا، جو افواج تیمور ملک کی امداد کے لیے نہ پہنچ سکیں مجھے ان سے کوئی توقع نہیں لیکن مصیبت انسان کو قدرت کے معجزات کا طلب گار بنا دیتی ہے

۔میں خوارزم شاہ کی مدد سے مایوس ہوں لیکن قدرت کی مدد سے مایوس نہیں۔اگر ہم پیدل پہاڑی راستہ اختیار کریں تو کھلے کی نسبت زیادہ محفوظ ہوں گے۔راسے میں کسی زخمی سپاہی کا گھوڑا مل جانا بعید از قیاس نہیں۔اس کے علاوہ میرا اندازہ ہے کہ تاتاریوں کا رُخ شمال مغرب کی طرف ہے،جنوب میں بلخ کا راستہ محفوظ ہوگا۔ہم انشاءاللہ کل پچھلے پہر یہاں سے روانہ ہوجائیں گے۔

(۶)

شام کے وقت طاہر نے جب نماز کے بعد دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو اسے اوپر محل میں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ثریا نے فوراً اٹھ کر سلگتی ہوئی آگ کو پتھر کی سلوں سے ڈھانپ دیا۔طاہر دُعا ختم کرکے ثریا کی طرف متوجہ ہوا اور وہ خوف زدہ صورت بنائے دبی زبان میں لوی۔یہ شاید تاتاری ہیں لیکن گھوڑے پانچ چھ سے زیادہ نہیں۔

طاہر نے آہستہ سے کہا۔ہوسکتا ہے کہ ان کے پیچھے کوئی فوج آرہی ہو۔

اسماعیل نے مغموم لہجے میں کہا۔اب ہم شاید بلخ نہ جاسکیں۔

طاہر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا نہیں انشاءاللہ ہم ضرور جائیں گے۔

کب؟

شاید آج ہی روانہ ہوجائیں

ثریا نے چونک کر پوچھا۔آج؟

ہاں۔آپ اس گوشت میں سے دوتین دن کی خوراک تھیلے میں ڈال لیں۔

’’لیکن برفانی راستے میں رات کے وقت پیدل؟‘‘

آپ پیدل چلنے کے متعلق کیوں سوچتی ہیں؟ کیا قدرت نے ہمارے لیے

گھوڑے نہیں بھیجے؟

ثریا نے کہا۔ان کے گھوڑے چھیننا ذرا مشکل ہے!

طاہر نے جواب دیا۔ جو کام ضروری ہو اس کے متعلق یہ نہیں سوچا جاتا کہ یہ مشکل ہے یا آسان۔

تھوڑی دیر بعد اُوپر سے ٹھکا ٹھک کی آوازیں آنے لگی۔اور ثریا بولی۔وہ درمیان کے بڑے کمرے میں شاید آگ جلانے کے لیے دروازے توڑ رہے ہیں اور گھوڑوں کو اصطبل میں باندھ آئے ہیں۔ میں سیڑھی پر چڑھتی ہوں۔ان کی آوازیں سُن کر میں ان کی تعداد کے متعلق صحیح اندازہ لگا سکوں گی۔

لیکن اوپر پتھر کو ابھی نہ ہلانا۔شاید کوئی اوپر والے کمرے میں موجود ہو۔

نہیں آپ بےفکر رہیں۔ثریا یہ کہہ کر سیڑھی پر چڑھی اور سِل کے قریب کان لگا کر اوپر سے آنے والی آوازیں سُننے لگی۔

تھوڑی دیر بعد وہ نیچے اُتری اور طاہر کے سوال کا انتظار کیے بغیر بولی۔وہ چھ یا سات سے زیادہ نہیں۔وہ تیمور ملک کی تلاش میں ہیں۔ممکن ہے کہ صبح تک ان کے اور ساتھی بھی آ جائیں۔ میں ان کی زبان نہیں سمجھ سکی لیکن تیمور ملک کا نام بار بار سُن کر میرا یہی اندازہ ہے۔وہ اس وقت اوپر والے کمرے سے دائیں طرف تیسرے کمرے میں ہیں۔

سپاہی کی بیٹی

تہ خانے کی تاریکی میں ہر لحظہ اضافہ ہو رہا تھا۔ تاتاری اپنی زبان میں کوئی راگ گا رہے تھے۔ طاہر عشا کی نماز ادا کرنے کے بعد دیر تک بیٹھا رہا۔ جب تاتاریوں کا راگ ختم ہوا تو وہ ثریا اور اسماعیل کو تیار رہنے کا مشورہ دے کر سیڑھی پر چڑھا اور چھت کے قریب کان لگا کر سننے لگا۔ ایک تاتاری باتیں کر رہا تھا اور باقی خاموش تھے۔ تاتاری زبان کے چند الفاظ طاہر بھی سیکھ چکا تھا۔ اور وہ صرف یہ اندازہ لگا سکا کہ بولنے والا اپنے ساتھیوں کو کوئی کہانی سنا رہا ہے۔ طاہر نے آہستہ سے سل کھسکا کر ایک طرف کر دی اور سوراخ میں سے سر اوپر نکال کر یہ محسوس کرتے ہوئے کہ کمرے میں کوئی نہیں باہر نکل آیا۔ پتھر کی سل اسی طرح شگاف پر رکھ دی۔

تاریکی میں چند قدم چلنے کے بعد طاہر کے ہاتھ ایک دروازے پر لگے۔ اس نے آہستہ سے دروازے کو باہر دھکیلا لیکن دروازے کی چڑ چڑاہٹ نے اسے پریشان کر دیا اور وہ اسے جلدی سے بند کر کے دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ بند ہوتے وقت دروازے کی چڑ چڑاہٹ کی آواز نسبتاً زیادہ تھی۔

کہانی سنانے تاتاری اچانک خاموش ہو گیا۔ ایک ثانیے کے بعد اس نے اپنے کسی ساتھی سے کچھ کہا اور وہ نیم خوابی کی سی حالت میں بڑبڑانے لگا۔ یہ دو آدمی جن میں سے ایک طاہر کے اندازے کے مطابق داستان گو تھا، کچھ دیر ایک دوسرے سے بحث کرتے رہے۔ درمیان والے کمرے میں ان میں سے ایک کے داخل ہونے کی آہٹ سنائی دی۔ وہ بدستور بڑبڑا رہا تھا۔ طاہر نے فوراً یہ اندازہ لگایا کہ ان دو کے علاوہ باقی سب تاتاری سو گئے ہیں۔

تاتاری نے درمیانی کمرے میں سے گزرنے کے بعد طاہر کے کمرے کا

دروازہ کھولا۔ چونکہ اب درمیانی کمرے کے دونوں دروازے ایک دوسرے کے سامنے تھے اس لیے تیسرے کمرے سے آگ کی ہلکی سی روشنی طاہر کے کمرے میں پہنچ رہی تھی۔ وہ دیوار کے ساتھ سمٹ کر بے حس وحرکت کھڑا رہا۔ تاتاری بے پروائی سے طاہر کے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ ایک لحظہ کے لیے ادھر اُدھر دیکھنے کے بعد آنکھیں ملنے اور اپنے ساتھی کو گالی دینے کے بعد واپس جارہا تھا کہ طاہر نے آہنی ہاتھ اس کی گردن پر جا پڑے۔ پست قد تاتاری کے منہ سے ایک ہلکی سی آہ بھی نہ نکل سکی۔ آن کی آن میں طاہر نے اسے لاش بنا کر زمین پر لٹا دیا۔

تیسرے کمرے سے داستان گوئی کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ شاید اپنی داستان کا آخری حصہ سنانے کے لیے بے قرار تھے۔ طاہر نے جلدی سے تلوار نیام سے نکالی اور دیوار کے ساتھ لگ کر زور زور سے خراٹے لینے لگا۔

داستان گو یہ سمجھ کر کہ اس کا ساتھی کمرے میں پہنچ کر سو گیا ہے۔ ہنستا ہوا اٹھا اور ایک جلتی ہوئی لکڑی ہاتھ میں لیے اس کمرے تک پہنچا لیکن پیشتر اس کے کہ وہ کمرے کا جائزہ لے سکتا۔ طاہر کی تلوار اس کے سینے کے آر پار ہو چکی تھی۔ وہ لڑکھڑا کر فرش پر گرا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔

تیسرے کمرے میں اس کے ساتھی اچانک اس چیخ سے بیدار ہو کر بیک وقت ایک دوسرے کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ طاہر ایک لمحہ کے توقف کے بغیر بھاگتا ہوا درمیانی کمرہ عبور کرنے کے بعد تیسرے کمرے میں جا داخل ہوا۔ وہاں آگ کی وجہ سے کافی روشنی تھی۔ تاتاری اٹھ کر اپنی تلواریں سنبھال رہے تھے کہ طاہر کی تلوار ان پر صاعقہ بن کر کوندی اور ان میں سے دو بسمل ہو کر فرش پر لوٹنے لگے۔ اتنی دیر میں باقی تین تاتاری سنبھل چکے تھے۔

طاہر کی تلوار کئی مرتبہ اپنے تینوں حریفوں کی تلواروں سے ٹکرائی ۔تاتاریوں نے اسے ایک خطرناک مدمقابل سمجھتے ہوئے منتشر ہو کر لڑنے کی کوشش کی ۔لیکن طاہر نے انھیں ایک کونے سے ادھر اُدھر ہٹنے کا موقع نہ دیا ۔چند لمحات گزر جانے کے بعد ان میں سے ایک زخمی ہو کر تڑپ رہا تھا۔طاہر کے بازو پر بھی ہلکا سا زخم آچکا تھا۔لیکن اپنے سامنے ایک کونے میں صرف دو آدمی پا کر وہ پر جوش حملہ کرنے کی بجائے قدرے اطمینان سے لڑ رہا تھا۔

(۲)

اچانک طاہر کو اپنے عقب سے ایک چیخ سُنائی دی ۔وہ جلدی سے پینترا بدل کر ایک طرف ہٹا۔اس کے بائیں ہاتھ ثریا خون آلود تلوار لیے کھڑی تھی اور اس کے سامنے ایک اور تاتاری جسے طاہر نے ابھی تک نہیں دیکھا تھا ۔زخمی ہو کر تڑپ رہا تھا ۔اتنی دیر میں طاہر کے دو حریف منتشر ہو کر اس کے لیے دو محاذ بن چکے تھے ۔ثریا طاہر کے کسی اشارے کا انتظار کیے بغیر ان میں سے ایک کے سامنے جا کھڑی ہوئی لیکن طاہر نے چلا کر کہا ۔ثریا!تم ایک طرف ہٹ جاؤ میرے پیچھے ۔

طاہر نے پہلی بار اس کا نام لیا تھا اور اسے آپ کی بجائے تم کہہ کر مخاطب کیا تھا اور یہ ثریا کے لیے بہت بڑا انعام تھا۔اس نے کہا۔آپ میری فکر نہ کریں ۔میں نے بھی ایک عرب ماں کا دودھ پیا ہے۔

لیکن اسماعیل اکیلا۔۔۔؟

وہ بھی میرا ہی بھائی ہے۔

اب طاہر اور ثریا ایک دوسرے کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے تھے اور وہ تاتاری پھر ایک کونے میں سمٹ رہے تھے ۔اچانک طاہر نے پینترا بدلا اور اس کی تلوار بجلی

کی سی تیزی کے ساتھ ثریا کے مدِ مقابل کا دایاں بازو کاٹ گئی۔ دوسرے لمحے میں ثریا کی تلوار اس کے سینے کے آر پار ہو چکی تھی۔

اب طاہر کے سامنے صرف ایک تاتاری تھا اور ثریا اطمینان کے ساتھ گرے ہوئے دشمن کی قبا کے ساتھ اپنی خون آلود تلوار صاف کر رہی تھی۔

تاتاری اب زندگی اور موت سے بے نیاز ہو کر ایک زخمی درندے کی طرح حملے کر رہا تھا۔ اچانک طاہر کے ہونٹوں پر ایک تبسم ظاہر ہوا۔ ایک مجاہد کا تبسم جو دشمن کے کانوں میں موت کا مہیب ترین قہقہہ بن کر گونجتا ہے۔ اس کی تلوار تاتاری کے سر پر چمکی گری اور سینے تک پہنچ گئی۔

ثریا کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ وہ مسکراہٹ جو قرونِ اولیٰ میں دخترانِ اسلام کا غازیانِ اسلام کے لیے سب سے بڑا انعام ہوا کرتی تھی۔

طاہر چند لحات کے لیے اپنے گرد و پیش کو فراموش کر کے اس حسین زمانے کا تصور کر رہا تھا۔ جب ایک سیدھی سادھی عرب لڑکی سرفروشانِ اسلام کی فوج کو اپنی بستی سے گزرتے ہوئے دیکھ کر یہ گایا کرتی تھی۔

قوم کے غیور بیٹو! تمھارے گھوڑوں سے اُڑنے والی گرد مجھے کہکشاں سے زیادہ عزیز ہے۔

تمھارے غبار میں اٹے ہوئے چہرے میری نگاہ میں چاند ۔۔۔۔۔۔ حسین ہیں

طاہر کی آستین پر خون کا نشان دیکھ کر ثریا جلدی سے اپنا رومال نکال کر بولی۔ آپ کو زخم آ گیا ہے۔ لائیے میں پٹی باندھ دوں۔

یہ معمولی خراش ہے۔ طاہر نے یہ کہتے ہوئے آستین چڑھا کر اپنا بازو آگے

کر دیا۔ثریا نے اس کے زخم پر رومال باندھتے ہوئے کہا۔میرا اندازہ چھ سات کا تھا ۔یہ آٹھواں شاید اصطبل میں پہرہ دیتا ہوا آیا تھا اور آپ پر عقب سے حملہ کر رہا تھا۔

میں آپ کا شکر گزار ہوں ۔اگر آپ نہ ہوتیں تو میرے لیے اس کا وار یقیناً خطرناک ہوتا۔

خدا کے لیے یوں نہ کہیے۔میں صرف اپنی وکالت کرنا چاہتی تھی۔میں وہاں نہ ٹھہر سکی۔دروازے پر پہنچ کر میں نے دیکھا کہ وہ دبے پاؤں پیچھے سے آ کر آپ پر حملہ کر رہا ہے اور میری چیخ نکل گئی۔میں بہت نادم ہوں۔

ثریا!جب تک عالم اسلام میں تمھارے جیسی لڑکیاں پیدا ہوتی رہیں گی۔دنیا میں مسلمانوں کو کوئی قوت نہیں کُچل سکتی۔چند لمحات پیشتر میں بے حد مایوس تھا لیکن اب میرا دل گواہی دیتا ہے کہ جو قوم تمھارے جیسی لڑکیاں پیدا کر سکتی ہے۔اس کی زبان میں مایوسی کا لفظ نہیں ہونا چاہیے۔وہ تحت الثریٰ میں پہنچ کر بھی تاروں پر کمندیں ڈال سکتی ہے۔انقلاب اس کو دبا سکتے ہیں، دفن نہیں کر سکتے۔حوادث کے طوفان اسے منتشر کر سکتے ہیں، فنا نہیں کر سکتے۔تاتاریوں کا طوفان بہت بڑا طوفان ہے۔ممکن ہے کہ یہ عالمِ اسلام کی آخری چٹان تک کو بہا لے جائے لیکن تم اور تمھارے جیسی قوم کی بیٹیاں ہر دور میں ایسے معمار پیدا کرتی رہیں گی جو سنگ ریزوں کو جوڑ کر ناقابلِ تسخیر چٹانیں بنانے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

ثریا کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو چھلک رہے تھے۔اس نے کہا۔میں بھی چند لمحات پہلے یہی خیال کر رہی تھی کہ قوم کے بیٹوں کا لہو سفید ہو چکا ہے۔لیکن نہیں جس قوم کو آپ جیسے سپاہی نصیب ہوں، اُس کا جھنڈا کوئی طاقت سرنگوں نہیں کر سکتی۔

لیکن تم رو رہی ہو؟

ثریا مسکرائی ۔آنسوؤں میں بھیگی ہوئی مُسکراہٹ ،شبنم میں نہائے ہوئے پھول کا تبسم،جس میں خون خُلد کے بے شمار قہقہے چھپے ہوئے تھے ۔اس نے کہا۔نہ جانے میں آج کیوں اپنے تمام غم بھول گئی ہوں ۔شاید اس لیے کہ آج میں نے اپنی قوم کے دُشمنوں میں سے ایک قتل کیا ہے۔

نہیں ۔اس لیے کہ تم نے اپنی قوم کے ایک سپاہی کی جان بچائی ہے۔لیکن اب چلو۔اسماعیل پریشان ہوگا اور گھوڑے بھی ہمارا انتظار کررہے ہوں گے۔

طاہر نے ایک جلتی ہوئی لکڑی اُٹھائی اور ثریا کے ساتھ تہ خانے کی طرف چل دیا۔

جب اس نے راستے سے پتھر کی سل ہٹائی تو نیچے سے اسماعیل نے چلا کر کہا۔ ٹھہرو!تم کون ہو۔میرا نشانہ خطا نہیں جاتا۔

ثریا نے کہا۔اسماعیل ہم ہیں۔

اجازت ہے۔اس نے خوشی سے اُچھلتے ہوئے کہا۔

جب طاہر اور ثریا نے نیچے اُتر کر جلتی ہوئی لکڑی کی روشنی میں دیکھا تو اسماعیل اپنے ہاتھ میں تیر کمان لیے کھڑا تھا۔

طاہر نے کہا۔اسماعیل!ہم بلخ جا رہے ہیں۔

کب؟

ابھی ۔تمھیں سردی تو نہیں لگے گی۔؟

نہیں جی ۔آپا جان تو کہتی تھیں کہ سردی آپ زیادہ محسوس کرتے ہیں۔آپ گرم ملک کے رہنے والے ہیں۔

ثریا نے بُھنے ہوئے گوشت سے بھرا ہوا ایک تھیلا طاہر کے ہاتھ میں دیتے ہوئے تہ خانے کے ایک کونے سے جلانے کی لکڑیاں ایک طرف ہٹا کر چمڑے کا چھوٹا سا تھیلا نکالا اور طاہر سے کہا۔ میں قوم کی یہ امانت آپ کے سپرد کرتی ہوں۔ والد مرحوم نے تاتاریوں کے حملے کا خطرہ محسوس کرتے ہی بیت المال کا بیشتر حصہ سمر قند بھیج دیا تھا۔ یہ باقی دو ہزار اشرفیاں انھوں نے میدان جنگ میں جانے سے پہلے میرے سپرد کر دی تھیں۔ اشرفیوں کے علاوہ اس تھیلے میں چند ہیرے ان کی ذاتی ملکیت تھے۔ لیکن میں ان پر قوم کے شہیدوں کے لاوارث بچوں کا زیادہ حق سمجھتی ہوں۔ ابا جان اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ نانا جان کی تجارت میں لگانے کے لیے دیتے رہتے ہیں اور انھوں نے بلخ میں ہمارے لیے کافی جائیداد خرید رکھی ہے۔

طاہر نے دونوں تھیلے اٹھا لیے ثریا نے جلتی ہوئی لکڑی سے ایک شمع روشن کی اور تینوں سیڑھی کے راستے دوبارہ اوپر چڑھ کر محل کے کمروں میں سے گزرتے ہوئے اصطبل میں داخل ہوئے۔

اصطبل میں تاتاریوں کے آٹھ گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ طاہر، ثریا اور اسماعیل تین گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ اور باقی گھوڑوں کو محل سے باہر لا کر تتر بتر کر دیا۔ باہر کے پھاٹک سے نکل کر چند قدم کے چلنے کے بعد ثریا نے اپنا گھوڑا روکا اور طاہر سے کہا۔ تھوڑی دیر ٹھہریے۔ میں اس شہر کو چھوڑنے سے پہلے ایک دُعا مانگنا چاہتی ہوں۔ طاہر اور اسماعیل اپنے گھوڑے روک کر ثریا کی طرف دیکھنے لگے۔

ثریا نے آسمان کے جگمگاتے ہوئے ستاروں کی طرف دیکھا اور نہایت درد ناک لہجے میں یہ دعا مانگی۔

”پروردگارِ عالم! میں تیرے محبوب ﷺ کی امت کی ہزاروں بیکس لڑکیوں میں

ایک ہوں ۔تو ان سب کی حفاظت کے لیےقوم کے جوانوں کو ہمارے اسلاف کی غیرت اور شجاعت عطا کر ۔وہ اس محل پر اسلام کی عظمت کا پرچم پھر ایک بار لہرائیں ۔اس شہر کی سُنسان گلیاں پھر ایک بار غازیان دین کے گھوڑوں کی آہٹ سُنیں ۔اس شہر کی ویران مساجد میں پھر ایک بار اللہ اکبر کی اذانیں گونجیں ۔تیرے دین کا بول بالا ہو۔آمین!''

طاہر اور اسماعیل نے بھی آمین کہا۔اور تینوں نے گھوڑوں کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں ۔تھوڑی دیر بعد وہ شہر سے باہر بلخ کے ناہموار راستے پر جا رہے تھے ۔مطلع صاف تھا اور سردی نا قابل برداشت تھی لیکن اسماعیل بار بار یہ کہہ رہا تھا کہ موسم بہت اچھا ہے ۔اور مجھے پوستین میں تلخی محسوس ہوتی ہے ۔

(۳)

تیسرے روز دوپہر کے وقت طاہر کو مسلمانوں کی ایک مختصر فوج کا پڑاؤ دکھائی دیا۔پڑاؤ میں داخل ہونے کے بعد طاہر کے استفسار پر ایک سپاہی نے بتایا کہ مشرقی سرحد کی چوکیاں خالی کرنے کے بعد چار ہزار سپاہی یہاں جمع ہو گئے ہیں اور ایک دو دن میں سمرقند کی طرف کوچ کرنے والے ہیں ۔

طاہر نے اس فوج کے افسر اعلیٰ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو سپاہی نے جواب دیا کہ اس فوج میں ہر پچاس ساٹھ سپاہیوں کی ٹولی کا ایک علیحدہ افسر ہے لیکن کل یہاں ایک شخص پہنچا ہے اور تمام اس کی شخصیت سے مرعوب ہو کر اس حکم مانتے ہیں

طاہر نے سوال کیا۔وہ کون ہے؟

سپاہی نے جواب دیا۔تیمور ملک؟

آپ انھیں جانتے ہیں؟

تیمور ملک کو کون نہیں جانتا!

سپاہی نے طاہر کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔ چلیے میں آپ کو ان کے پاس پہنچا دیتا ہوں۔

ثریا اور اسماعیل ان کے پیچھے چل دیے۔ طاہر ایک خیمے کے سامنے پہنچ کر رُکا۔ ثریا اور اسماعیل گھوڑوں سے اُترے۔ سپاہی نے اندر جا کر اطلاع دی۔ تھوڑی دیر بعد تیمور ملک باہر نکلا۔ وہ طاہر کو دیکھتے ہی دونوں ہاتھ پھیلا کر اس کی طرف بڑھا اور اسے گلے لگا لیا۔

خدا کا شکر ہے کہ تم سلامت ہو۔ یہ کہہ کر وہ اسماعیل اور ثریا کی طرف متوجہ ہوا۔ ثریا بدستور مردانہ لباس پہنے ہوئی تھی اور اس کا نصف چہرہ پوستین میں چھپا ہوا تھا۔ تیمور ملک نے پوچھا یہ کون ہیں۔

طاہر نے کہا یہ میرے ساتھی ہیں۔ میں آپ کو ان کی سرگزشت سناؤں گا لیکن ہم نے راستے میں بہت کم آرام کیا ہے۔ انھیں عورتوں کے خیمے میں بھجوا دیجیے۔

عورتوں کے خیمے میں؟ تیمور ملک نے حیران ہو کر سوال کیا۔

طاہر نے مسکرا کر جواب دیا۔ یہ مرد نہیں۔

تیمور ملک نے۔ خاتون محترم! مجھے آپ کے لباس سے غلط فہمی ہوئی لیکن آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ جب قوم کے بیٹوں کی شجاعت اور غیرت رخصت ہو چکی ہو تو قوم کی بیٹیوں کو یہی لباس زیب دیتا ہے۔

ثریا نے آنکھیں جھکاتے ہوئے جواب دیا۔ میں قوم کے بیٹوں کی غیرت سے مایوس نہیں ہوں۔

آپ نے صرف طاہر کو دیکھا ہے لیکن قوم میں ایسے بزدلوں کی تعداد زیادہ

ہے۔جن کے ہاتھ پاؤں تاتاریوں کا نام سُن کر پھول جاتے ہیں۔لیکن اب ان باتوں کا وقت نہیں۔آپ کو آرام کی ضرورت ہے اور آپ کے لیے عورتوں کا خیمہ موزوں نہیں۔

آپ کو ہر ایک کی تسلی کے لیے اپنی سرگزشت کئی بار بیان کرنی پڑے گی۔اس لیے میں اپنا خیمہ پیش کرتا ہوں۔میں اور طاہر دوسرے خیمے میں رات گزار لیں گے۔یہ کہہ کر تیمور ملک ایک سپاہی سے مخاطب ہوا۔انھیں اندر لے جاؤ اور ان کے کھانے کا انتظام کرو۔

ثریا اور اسماعیل تیمور ملک کے کشادہ خیمے میں داخل ہوئے اور تیمور ملک طاہر کے ساتھ ایک اور افسر کے کمرے میں چلا گیا۔

(۴)

علی الصبح ثریا کو گہری نیند کی حالت میں اذان کی دلکش آواز سُنائی دی۔کچھ دیر کے بعد وہ نیم خوابی کی حالت میں اس اذان کو رات بھر کے بعض میٹھے اور سُہانے اور بعض بھیانک سپنوں کا ایک حصہ سمجھتی رہی۔موذن کی اذان ختم ہوئی اور وہ گردن اُٹھا کر دُھندلی روشنی میں ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔اسماعیل! اسماعیل! اسماعیل!! اُس نے گھبرا کر کہا۔

اسماعیل اس کے قریب سو رہا تھا اس نے کروٹ بدلی۔ثریا نے اسے جھنجھوڑ کر جگایا۔اس نے اُٹھ کر آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔میں تیار ہوں۔

کہاں جانے کے لیے تیار ہو؟

بلخ جانے کے لیے اور کہاں؟

بلخ۔۔۔اُف! میں رات بھر عجیب وغریب خواب دیکھتی رہی۔میں سمجھتی تھی

کہ میں ابھی تک اسی تہ خانے میں ہوں۔لیکن وہ کہاں ہیں؟

کون؟ طاہر! وہ اپنے دوست کے ساتھ دوسرے خیمے میں ہیں۔آپ عشاء کی نماز پڑھتے ہی سو گئی تھیں۔وہ آئے تھے، انھوں نے مجھے باہر سے آواز دی۔میں جاگ رہا تھا۔انھوں نے وہیں سے پوچھا کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟ میں نے جواب دیا کہ نہیں۔انھوں نے آپ کے متعلق پوچھا۔میں نے بتایا کہ آپ سو رہی ہیں۔پھر وہ واپس چلے گئے۔

میرے متعلق انھوں نے کیا پوچھا تھا؟

انھوں نے کہا تھا۔تمھاری ہمشیرہ کو کوئی تکلیف تو نہیں؟

پھر تم نے کیا جواب دیا؟

میں نے کہا وہ تو گہری نیند میں خراٹے لے رہی ہیں

بڑے نالائق ہو تم۔میں کب خراٹے لیا کرتی ہوں۔سچ کہو تم نے یہ کہا تھا انھیں؟

اسماعیل نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔نہیں میں نے صرف یہ کہا تھا کہ آپ سو رہی ہیں۔

اور کیا کہا انھوں نے؟

انھوں نے کہا تھا، تم بھی سو جاؤ۔صبح کی نماز کے بعد ہم بلخ کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ہاں آپا! ایک بات اور۔ان کے چلے جانے کے بعد خیمے میں چند عورتیں اور لڑکیاں آئیں تھیں اور آپ کو نیند کی حالت میں دیکھ کر واپس چلی گئیں۔

تم نے مجھے جگا دیا ہوتا۔

میں جگانے لگا تھا لیکن انھوں نے مجھے منع کیا۔انھوں نے مجھ سے پوچھا تھا

کہ کیا یہ سچ ہے کہ تمھاری بہن نے ایک تا تاری کو ہلاک کیا ہے؟ میں نے کہاہاں! یہ بالکل سچ ہے تو وہ بہت حیران ہوئیں۔ وہ کہتی تھیں کہ ہم صبح تمھاری بہن سے ملیں گی ۔

ثریا نے کہا تم جاؤ مردوں کے ساتھ نماز پڑھو۔ میں بھی نماز پڑھتی ہوں ۔ تھوڑی دیر بعد ثریا نے نماز کے بعد ہاتھ اُٹھائے ۔ دُعا ختم کرنے کے بعد اس نے مُڑ کر دیکھا تو اس کے پیچھے چند عورتیں کھڑی تھیں ۔ وہ اُٹھ کر کھڑی ہوگئی ۔ ایک لڑکی نے کہا ۔ ہم رت کے وقت آئی تھیں ۔ آپ سو رہی تھیں ۔ ہم نے آپ کو جگانا مناسب خیال نہ کیا۔ ہم آپ کی سرگزشت سُن چکی ہیں ۔ ہم سب کو آپ پر فخر ہے۔

ثریا نے جواب دیا ۔ آپ کی حوصلہ افزائی کا شکریہ ۔ لیکن یہ کوئی بہت بڑا کارنامہ نہ تھا۔

ایک عورت نے کہا۔ لیکن یہ سب تا تاریوں سے بہت ڈرتی ہیں ۔ آپ انہیں وعظ کریں۔

ثریا نے کہا ۔ میں وعظ کرنا نہیں جانتی ۔ میں بھی آپ میں سے ایک ہوں ۔ بہر حال میں آپ کی خواہش رد نہیں کرسکتی ۔ آپ تشریف رکھیں!

خواتین بیٹھ گئیں ۔ ایک لڑکی نے کہا ۔ ذرا ٹھہریے! میں سب کو بلا لاتی ہوں ۔ وہ یہ کہہ کر خیمے سے باہر نکل گئی اور تھوڑی دیر بعد یہ وسیع خیمہ عورتوں سے کھچا کھچ بھر گیا۔

ثریا نے ہچکچاتے ہوئے اپنی تقریر شروع کی ۔

''میری مصیبت زدہ بہنو! گزشتہ صدیوں میں دُخترانِ اسلام پر ایسا نازک وقت کبھی نہیں آیا ۔ خوارزم میں ہماری سطوت

کے پرچم ٹوٹ رہے ہیں اور تاتاریوں کی وحشت اور بربریت کا تندو تیز سیلاب خوارزم کے علاوہ ہر اسلامی سلطنت کے لیے خطرہ پیدا کر رہا ہے۔ اس نازک دور میں آپ اس لیے مایوس ہیں کہ فرزندانِ اسلام میں وہ پہلی سی شجاعت باقی نہیں رہی۔ ان میں قرون اولیٰ کے مجاہدین کا سا ذوقِ شہادت نہیں لیکن میں پوچھتی ہوں۔ آج وہ خواتین ہیں جو اپنے شوہر یا بھائی کو میدانِ جنگ میں پیچھے ہٹتا دیکھ کر خیموں کی چوبیں نکال کر یہ کہا کرتی تھیں کہ اگر تم نے بُزدلی دکھائی تو تمہاری کھوپڑیوں کی خیر نہیں!

میری بہنو! یاد رکھو! گرتی ہوئی قوم کا آخری سہارا اُس قوم کی بیٹیاں ہوا کرتی ہیں۔ تم قوم کا آخری سہارا ہو۔ جب تک تمہارے سینے نورِ ایمان سے منور ہیں۔ تمہارے بیٹوں، تمہارے شوہروں اور تمہارے بھائیوں کو دُنیا کی کوئی طاقت مغلوب نہیں کر سکتی۔ جب تک قوم کی ماؤں کا مقدس دُودھ قوم کی بیٹیوں کی رگوں میں خُون بن کر دوڑتا رہے گا، ان میں شہادت کی خواہش زندہ رہے گی اور جب تک فرزندانِ اسلام میں شہادت کی خواہش ہے، وہ بڑے سے برے دُشمن کے لیے پیامِ موت ثابت ہوں گے۔"

قوم اگر مُردہ ہے تو اسے زندہ کرنے والا آبِ حیات تمہارے پاس موجود ہے۔ قوم اگر سو رہی ہے تو تم اسے جھنجھوڑ کر جگا سکتی ہو۔ تم مردوں کے پاؤں کی زنجیر نہ بنو! اپنے

شوہروں سے کہو کہ تم میدانِ جنگ سے سرخرو ہو کر آؤ۔ ہم گھروں کی چار دیواری میں تمہاری عزت اور آبرو کی حفاظت کریں گی۔ اپنے بھائیوں سے کہو کہ وہ میدان میں جا کر دشمن کے تیر سینوں پر کھائیں۔ اور تم ان پر فخر کرو گی۔ اپنے بیٹوں سے کہو کہ اگر تم نے میدان میں بزدلی دکھائی اور تمہارا خون ایڑیوں پر گرا تو تم قیامت کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا دامنِ رحمت تھام کر یہ کہو گی کہ حضورؐ خدا کے سامنے میرے بیٹے کی سفاعت نہ کیجیے۔ اس نے میرے دودھ کی لاج نہیں رکھی۔

ثریا کی آواز خیمے سے باہر دُور تک جا رہی تھی۔ طاہر اور تیمور **ملک** کے علاوہ باقی سپاہی اور افسر ایک دوسرے کا اشارہ پا کر باہر جمع ہو چکے تھے بعض دم بخود کھڑے تھے اور بعض پر رقت طاری ہو رہی تھی۔

ثریا کے خاموش ہو جانے پر تیمور **ملک** نے باہر سے بلند آواز میں کہا۔ محترم خاتون! آپ کے بہت سے بھائی باہر کھڑے ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں، جن پر تاتاریوں کا نام سن کر دہشت طاری ہو جاتی ہے۔ آپ انہیں بھی حوصلہ دیں۔

ثریا نے کانپتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''جو تاتاریوں سے ڈرتے ہیں۔ میں انہیں اپنا بھائی کہنے کے لیے تیار نہیں۔ انہیں کہہ دیجیے کہ کوئی لڑکی جس نے ایک مسلمان ماں کا دُودھ پیا ہے، ایسے بزدلوں کو بھائی کہنے کے لیے تیار نہ ہو گی۔ اگر انہوں نے اپنے فرض میں کوتاہی کو تو ہم اپنے کنگن اُتار کر انہیں پہنچا دیں گی اور انکی زنگ آلود تلواریں اُٹھا

کرتا تاریوں کے سامنے سینہ سپر ہو جائیں گی۔ ہمارے محبت اور
اطاعت بہادروں کے لیے ہے۔ بزدلوں کے لیے نہیں۔ گر یہ
ہماری عصمت کے نگہبان نہیں بن سکتے تو قیامت کے دن خدا
کے غیور بندوں کی صف میں کھڑا ہونے کی توقع نہ رکھیں۔
دخترانِ اسلام اگر اس دن کسی کو بھائی کہیں گی تو وہ محمد بن قاسمؒ
جیسا مجاہد ہو گا جس نے اپنی قوم کی ایک بیٹی کی عصمت بچانے
کے لیے سترہ سال کی عُمر میں ایک ملک فتح کیا تھا۔ اس دن ہر
مسلمان بیوی اپنے بزدل شوہر کو بھول کر اپنی اس بہن کے شوہر
پر فخر کرے گی جس کی قیادت میں خُون شہادت سے رنگین ہو گی۔
اس دن مسلمان مائیں یہ کہیں گی کہ ہمارے بیٹے وہ بزدل نہیں جو
دُشمن کی تلوار کا وار اپنے سینے پر نہ روک سکیں۔ ہمارے بیٹے وہ
مجاہدین جن کی شجاعت نے خواتینِ اسلام کو دنیا بھر کی عورتوں کی
نگاہوں میں ممتاز کر دیا تھا۔ اگر وہ چاہتے ہیں کہ ہم فخر کے ساتھ
انہیں اپنا بھائی کہیں تو انہیں چاہیے کہ ہمارے سامنے وہ قبائیں
پہن کر آئیں جو خون سے رنگین ہوں۔ ہمیں وہ صُورتیں دکھائیں
جن پر زخموں کے نشان ہوں۔"

ثریا نے تقریر ختم کی تو خواتین آگے بڑھ بڑھ کر اس کے گلے سے لپٹ رہی تھیں اور خیمے سے باہر تیمور ملک طاہر سے یہ کہہ رہا تھا۔ جب تک ہماری قوم میں ایسی لڑکیاں موجود ہیں۔ ہم اسلام کے دُشمنوں کے ساتھ صدیوں تک جنگ کرنے کے بعد بھی ہار نہیں مانیں گے۔ طاہر! تم خوش نصیب ہو۔ میں دُعا کرتا ہوں کہ

تمہاری زندگی کے راستے بلخ پہنچ کر ایک دوسرے سے جُدا نہ ہو جائیں۔ اپنے بلند ارادوں کی تکمیل کے لیے تمہیں جس ساتھ کی ضرورت تھی وہ تمہیں مل گیا ہے۔ اسے ہمیشہ کے لیے اپنا لو۔

طاہر خاموش کھڑا تھا۔ اس کے کانوں میں ابھی تک ثریا کے الفاظ گونج رہے تھے۔ وہ تصور میں ثریا کے ساتھ کسی بلند مینار پر کھڑا نیچے جمع ہونے والے لاکھوں، انسانوں کو جہاد کا سبق دے رہا تھا۔ تصور کی ایک اور جہت کے بعد وہ ایک پہاڑی کے دامن میں پہنچ چکا تھا۔ جہاں خودرو پھول مسکراتے تھے۔ مہکتی ہوئی ہوائیں اٹھکیلیاں کرتی تھیں۔ اور پہاڑی ندیاں مسرت کے نہ ختم ہونے والے گیت گاتی تھیں۔ ثریا یہاں بھی اس کے ساتھ تھی اور وہ ندی کے کنارے پھولوں کی سیج پر لیٹ کر اس کے میٹھے اور سہانے گیت سُن رہا تھا۔

پھر وہ میدانِ کارزار میں تھا اور ثریا اس کے زخموں پر مرہم پٹی کر رہی تھی۔ کئی دنوں کے بعد پہلی بار اُسے ایک اور لڑکی کا خیال آیا۔ یہ صفیہ تھی۔ شاید اس لیے کہ ثریا اور صفیہ میں کوئی خاص بات مشترکہ تھی یا شاید اس لیے کہ ثریا سے پہلے اس کے ذہن میں صرف صفیہ کا دھندلا سا خاکہ تھا۔ صفیہ کے متعلق اس نے اس سے زیادہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ اسے اس کے ساتھ غایت درجہ کی ہمدردی تھی۔ ایک ایسی ہمدرد جو کسی انعام کی محتاج نہیں ہوتی۔ وہ اپنے دل میں کوئی خلش یا دھڑکن محسوس کیے بغیر صفیہ کے متعلق سوچ سکتا تھا لیکن ثریا کے متعلق اس کے احساسات مختلف تھے۔ وہ اپنی بے پناہ قوتِ تسخیر کے ساتھ اس کے دل و دماغ پر حاوی ہو چکی تھی۔ تاہم اسے یہ اطمینان تھا کہ بلخ سے ان کے مستقبل کے راستے جدا ہو جائیں گے اور اس کے دل میں صرف ایک خوش گوار یاد باقی رہ جائے گی اور یہ یاد بھی شاید اسے زیادہ دیر

پریشان نہ کرے۔

تیمور ملک تھوڑی دیر غور سے اس کیطرف دیکھتا رہا۔بالآخر وہ بولا۔تم پریشان کیوں ہو؟ اگر کہو تو اس معاملے میں تمہاری رہنمائی کرسکتا ہوں۔

نہیں نہیں! طاہر نے چونک کر کہا۔ابھی نہیں۔ابھی میری زندگی میں ان باتوں کا وقت نہیں آیا۔

(۵)

صبح کی نماز کے بعد طاہر،ثریا اور اسماعیل نے سفر کی تیاری کی۔تیمور ملک نے تھکے ہوئے گھوڑوں کے بدلے انہیں تین تازہ دم گھوڑے دے دیے۔طاہر نے بیت المال کی اشرفیاں تیمور ملک کے سپُرد کیں۔تیمور ملک نے راستے کے شہروں کے حکام کے نام یہ مراسلہ لکھ دیا کہ انہیں راستے میں ہر ممکن سہولت بہم پہنچائی جائے۔اس کے علاوہ اس نے ابتدائی دو منازل میں خطرہ محسوس کرتے ہوئے بیس سواروں کو ان کی حفاظت کے لیے روانہ کردیا۔

رُخصت کے وقت طاہر سے مصافحہ کرتے ہوئے تیمور ملک نے کہا۔میرا مکتوب تمہیں نہ صرف بغداد تک پہنچنے میں مدد دے گا بلکہ حالات نے تمہیں واپس آنے پر آمادہ کیا تو بھی تمہارے کام آئے گا۔اسے سنبھال کر رکھنا۔اس کے بعد ثریا سے مخاطب ہوا۔میری بہن! آپ کو راستے میں انشاءاللہ کوئی پریشانی نہ ہوگی۔آپ کا رفیقِ سفر ایک ایسا نوجوان ہے جو ایک دفعہ میری جان بچا چکا ہے۔

میں انہیں جانتی ہوں۔ثریا نے یہ کہتے ہوئے طاہر کی طرف دیکھا اور آنکھیں جھکا لیں۔اس کے چہرے پر حیا کی سُرخی یہ کہہ رہی تھی۔آپ انہیں مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔

سارا دن سفر کرنے کے بعد یہ لوگ شام کے وقت ایک فوجی چوکی پر ٹھہر گئے۔ دوسری شام ایک شہر میں پہنچ کر طاہر نے محافظ دستے کو واپس بھیج دیا۔شہر کے حاکم نے تیمور ملک کا مکتوب دیکھ کر ان کی کافی آؤ بھگت کی۔صبح جب ثریا حاکمِ شہر کے گھر کی عورتوں کو الوادع کہہ کر باہر نکلی تو وہ مردانہ لباس کی بجائے عوتوں کا لباس پہنچے ہوئے تھے۔

جب وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر سے باہر نکلے تو ثریا نے شرماتے ہوئے کہا۔ میں نے لباس اس لیے تبدیل کیا ہے کہ اب ہمیں راستے میں کوئی خطرہ نہیں۔میں نے سُنا ہے کہ تاتاری اپنی پوری قوت کے ساتھ سمرقندر اور بخارا کا رُک کررہے ہیں ۔طاہر نے کہا۔اسی لیے بہت جلدی بغداد پہنچ جانا چاہتا ہوں۔

ثریا نے کہا۔آپ کو میری وجہ سے دیر ہورہی ہے لیکن مجھے اب راستے میں کوئی خطرہ نہیں ۔اگر آپ مناسب خیال کریں تو میں اگلے شہر کے حاکم سے کہوں گی کہ مجھے بلخ پہنچانے کا انتظام کردے اور آپ وہاں سے سیدھے بغداد روانہ ہوجائیں۔

نہیں ۔نہیں۔اسماعیل نے کہا۔میں آپ کو بلخ پہنچنے سے پہلے نہیں جانے دوں گا۔

یہ دراصل ثریا کے دل کی آواز تھی ۔طاہر نے کہا۔اچھے بھائی! میں تمہارے لیے غزنی تک جانے کے لیے بھی تیار ہوں۔

اسماعیل نے کہا۔خدا مجھے بلخ سے آگے نہ لے جائے۔گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے میری ٹانگیں شل ہوگئی ہیں۔لیکن بلخ میں آپ کو چند دن ہمارا مہمان رہنا پڑیگا۔

طاہر نے جواب دیا۔یہ نہیں ہوگا۔بلخ کے دروازے پر پہنچ کر میرا اور تمہارا راستہ مختلف ہوگا۔

اسماعیل نے کہا۔آپ میرے ساتھ نانا کے گھر تک نہیں جائیں گے؟

کاش میرے پاس وقت ہوتا!

اسماعیل نے مایوس ہوکر کہا۔پھر آپ کبھی نہیں آئیں گے؟

اسماعیل کے اس سوال پر ثریا کا دل دھڑکنے لگا۔طاہر نے قدرے تذبذب کے بعد جواب دیا۔اگر مجھے زندگی میں کوئی فرصت کا لمحہ مل سکا تو انشاءاللہ ضرور آؤں گا۔

تو پھر بلخ میں ہمارا گھر ضرور دیکھتے جائیں۔

تمھارے نانا کا نام کیا ہے؟

عبدالرحمٰن۔

طاہر اور اسماعیل دیر تک باتیں کرتے رہے اور ثریا اپنے دل میں بار بار طاہر کا یہ فقرہ دہرا رہی تھی۔اگر مجھے زندگی میں کوئی فرصت کا لمحہ مل سکا تو انشاءاللہ ضرور آؤں گا۔اور اس کا دل بار بار یہ سوال پوچھ رہا تھا کہ کیا اس نے یہ بات فقط اسماعیل کی تسلی کے لیے کہی ہے یا اسے یہ معلوم ہے کہ اسماعیل سے کہیں زیادہ کسی اور بغداد سے آنے والے قافلوں کا انتظار رہے گا۔

اب تک طاہر کی زبان سے اس نے ایسا لفظ بھی نہیں سنا تھا،جس سے اس پر ظاہر ہوتا کہ زندگی کی بلند منازل کی طرف قدم اُٹھاتے ہوئے اس کے دل میں اپنے راستے کی بھولی ہوئی منزل کے ساتھی کی یاد باقی رہے گی۔اسے طاہر کے بلند نصب العین پر فخر تھا۔وہ اس کی شخصیت کو ہر لحاظ سے قابلِ احترام سمجھتی تھی۔اسے اس بات پر مسرت تھی کہ اس میں مردانگی کے تمام جوہر تھے۔اس کی نگاہوں میں نیکی، شرافت،شجاعت اور پاکیزگی تھی۔وہ سب کچھ تھا جس کی قوم کو ضرورت تھی اور اس

کے ساتھ ہی وہ سب کچھ تھا جس کی ثریا تمنا کرسکتی تھی۔

(۶)

جوں جوں منزل قریب آرہی تھی، دونوں کے دل کی خلش میں اضافہ ہورہا تھا ۔شاید دونوں کی یہ شکایت تھی کہ وہ ایک دوسرے کے دل کی کیفیت سے اب تک کیوں بے خبر ہیں ۔وہ ایک دوسرے کو دیکھنا چاہتے لیکن ان کی آنکھیں اُوپر اُٹھنے سے انکار کردیتیں ۔وہ کوئی بات کرنا چاہتے لیکن ان کی زبانیں گنگ ہوجاتیں۔

آخر ایک دن وہ اس چوراہے پر کھڑے تھے جہاں بغداد اور بلخ کو جانے والے راستے ایک دوسرے سے جدا ہوتے تھے۔اسماعیل کا گھوڑا چند قدم آگے تھا۔ اس نے مُڑ کر پیچھے دیکھا اور کہا۔آپ یہاں کیوں کھڑے ہوگئے؟ آیئے نا!

طاہر نے کہا۔ٹھہرو اسماعیل!

مجھ سے اب گھوڑے پر نہیں بیٹھا جاتا۔یہ کہتے ہوئے اسماعیل گھوڑے سے اُترا اور اس کی باگ پکڑ کر چند قدم پیدل چلنے کے بعد ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔

ثریا نے طاہر کی طرف دیکھا اور کہا۔اس کا خیال ہے کہ آپ گھر تک ہمارے ساتھ جائیں گے۔

طاہر نے کہا۔آپ میری طرف سے اسے سمجھا دیں۔یہاں سے رُخصت ہو کر میں شام سے پہلے ایک منزل طے کرلوں گا۔

ثریا نے مغموم لہجے میں کہا۔میں اسے سمجھادوں گی۔

اچھا خدا حافظ!

ثریا کے ہونٹ کپکپا اُٹھے۔اس نے خدا حافظ کہنے کی کوشش کی لیکن اس کا گلا بیٹھ گیا۔زبان رُک گئی اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

طاہر نے گھوڑے کی باگ موڑنے کا ارادہ کیا لیکن ہاتھوں کو جنبش نہ ہوئی۔

جائیے! ثریا نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو اُبل پڑے۔

ثریا! طاہر نے کہا۔ اس درخت کی طرف دیکھو۔ باقی تمام درختوں کے پتے جھڑ چکے ہیں۔ لیکن وہ سبز ہے۔

ثریا مڑ کر دوسرے طرف دیکھنے لگی۔ طاہر نے کہا۔ اب میری طرف نہ دیکھنا۔ میں تم سے کچھ باتیں کہنا چاہتا ہوں

ثریا نے کہا۔ کہیے۔ اگر آپ میرے آنسوؤں سے متاثر ہوئے ہیں تو یقین کیجیے کہ یہ تشکر کے آنسو تھے۔ میں اپنے محسن کو آنسوؤں کے سوا کیا دے سکتی ہوں۔

طاہر نے کہا۔ ثریا یہ نہ سمجھو کہ تمہارے جذبات سے واقف نہیں اور یہ بھی نہ سمجھو کہ میرے دل میں ان آنسوؤں کی کوئی قیمت نہیں۔ میری صاف بیانی سے غلط اندازہ نہ لگائیں۔ میں یہ باتیں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ایسے پرآشوب زمانے میں کہنے اور سننے کا موقع بار بار نہیں ملتا۔ میں کل دوبارہ ملنے کی توقع پر آج تم سے جدا ہو رہا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کل بہت جلد آجائے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کل کے انتظار میں کئی برس گزر جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کل کبھی نہ آئے۔ بہر حال اگر قدرت نے ہمیں زندگی کے چوراہے پر پھر ایک بار اکٹھا کر دیا تو میں زندگی کی آخری منزل تک تمہاری رفاقت اپنے لیے قدرت کا سب سے بڑا انعام سمجھوں گا۔ سر دست میں تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ میرا فرض مجھے بغداد بلا رہا ہے اور اس کے بعد میں تاتاریوں کے خلاف خوارزم کے ہر مورچے پر پہنچنا اپنا فرض سمجھوں گا۔ تم اس وقت کے لیے دعا کرو جب میں فتح کی خبر لے کر بلخ پہنچوں جب میری قبا میرے خون سے رنگین ہو اور میرے چہرے پر زخموں کے نشان ہوں۔

ثریا نے مڑ کر طاہر کی طرف دیکھا اور کہا۔میں آپ کا انتظار کروں گی۔کاش میں ان مورچوں پر آپ کا ساتھ دے سکتی۔اس کی آنکھوں میں امید کی روشنی تھی اور طاہر محسوس کر رہا تھا کہ چاند بادلوں کے نقاب سے اچانک باہر نکل آیا ہے۔ایک لمحہ توقف کے بعد ثریا بولی۔اب میں آپ سے ایک درخواست کروں گی۔

"کہو!"

آپ نانا کے گھر تک ہمارا ساتھ ضرور دیں۔میں آپ کو صرف ایک بار وہ دروازہ دکھانا چاہتی ہوں جو آپ کے لیے ہر وقت کھلا رہے گا تاکہ آپ جب دوبارہ بلخ آئیں تو ہمارے گھر کا کوئی آدمی یہ خیال نہ کرے کے آپ اجنبی ہیں۔ آپ نانا جان سے ملیں وہ خوش ہوں گے، میں وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کو آج نہیں تو کل علی الصباح ضرور روانہ کردوں گی۔مجھے یہ یقین ہے کہ آپ دو دن کا سفر ایک دن میں طے کرسکتے ہیں۔میرے لیے!

طاہر نے کہا۔چلیے۔

اسماعیل چھوٹے چھوٹے کنکر اٹھا کر ایک پتھر کا نشانہ کر رہا تھا۔طاہر اور ثریا کو قریب آتے دیکھ کر وہ اُٹھا اور گھوڑے پر سوار ہوگیا۔

سپاہی اور تاجر

شیخ عبدالرحمٰن دوہرے جسم اور موٹے دماغ کا ایک متمول تاجر تھا۔ اس کا مکان بلخ کی چند شاندار عمارتوں میں سے ایک تھا۔ اس کا وسیع کاروبار دور دراز کے شہروں میں پھیلا ہوا تھا اور اس کے تجارتی قافلے بخارا اور بغداد سے لے کر دہلی تک آتے جاتے تھے۔ رہائشی مکان کے ساتھ ایک اور وسیع عمارت میں اس کا دفتر تھا۔ تاتاریوں کے حملے نے اسے خوارزم سے کاروبار سمیٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔ بخارا اور سمرقند سے اس کے قاصد نہایت پریشان کن خبریں لا رہے تھے۔ چند ہفتے پہلے اس نے بلخ کو محفوظ سمجھتے ہوئے اپنا مال و متاع وہاں جمع کرنا شروع کر دیا تھا لیکن اب وہ اپنا قیمتی مال و اسباب غزنی بھیج رہا تھا۔

طاہر کو جس کمرے میں ٹھہرایا گیا وہ بیش قیمت ایرانی قالینوں اور اطلس و کمخواب کے پردوں سے آراستہ تھا۔ اس نے اسماعیل کے ساتھ پاس کی مسجد میں مغرب کی نماز ادا کی اور شہر کے پررونق بازار کا ایک چکر لگانے کے بعد واپس آ گیا۔

وہ اسماعیل کے ساتھ باتیں کر رہا تھا کہ کمرے میں خلیفہ ایک معمر خاتون داخل ہوئی۔ اسماعیل نے جلدی سے اُٹھتے ہوئے کہا۔ ''نانی جان آئی ہیں۔'' نانی جان آئی ہیں۔'' طاہر بھی اُٹھ کر ادب کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ حنیفہ کی آنکھوں سے حزن و ملال ٹپکتا تھا۔ اس نے آتے ہی کسی تمہید کے بغیر کہا۔ ''نوجوان! میں تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں، تم نے ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ خدا تمہیں جزا دے۔''

طاہر نے جواب دیا ''میں اپنے آپ کو شکریہ کا مستحق نہیں سمجھتا۔ یہ میرا فرض تھا۔ مجھے اسماعیل کے والد کے متعلق افسوس ہے۔''

حنیفہ نے گردن اوپر اٹھائی اور کہا۔" وہ مرا نہیں شہید ہوا ہے۔ مجھے اس سے یہی توقع تھی۔ مجھے ثریا نے بتایا ہے کہ تم علی الصباح بغداد روانہ ہو جاؤ گے، میں تمہیں ضروری کام سے روکنا نہیں چاہتی لیکن اگر پھر کبھی اس راستے سے گزرو تو اس گھر کو اپنا گھر سمجھو۔ بغداد پہنچ کر یہ نہ بھول جانا کہ بلخ میں ایک عرب ماں تمہیں اپنا بیٹا سمجھتی ہے۔

پھر وہ اسماعیل کی طرف متوجہ ہوئی۔ بیٹا! تمھارے نانا نے کہلا بھیجا ہے کہ وہ مہمان کیساتھ کھانا کھائیں گے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا۔ ان کے پاس بہت سے تاجر آئے ہیں ممکن ہے کہ وہ یہاں آنا بھول ہی جائیں۔

کمرے سے نکلتے ہوئے حنیفہ دروازے پر رُکی اور طاہر کو آواز دی اور طاہر کے دل میں ایک خفیف سی دھڑکن پیدا ہوئی۔ یہ ثریا کی آواز تھی۔

اسماعیل دروازے سے پردہ ہٹا کر ساتھ والے کمرے میں داخل ہوا اور تھوڑی دیر بعد واپس آ کر بولا۔ آپا کا خیال ہے کہ شاید نانا جان کو آنے میں دیر ہو جائے۔ چلیے آپ کھانا کھالیں!

طاہر نے کہا۔ کیا یہ بہتر ہوگا کہ ہم تھوڑی دیر اور انتظار کرلیں؟

اسماعیل نے جواب دیا۔ نانا جان کا کچھ پتہ نہیں۔ نانی جان کہتی ہیں کہ وہ کبھی کبھی آدھی آدھی رات تک دفتر میں حساب کتاب دیکھتے رہتے ہیں

بہت اچھا۔ طاہر یہ کہہ کر اٹھا اور اسماعیل کے ساتھ برابر کے کمرے میں داخل ہوا۔

(۲)

دستر خوان پر انواع و اقسام کے کھانے سجے ہوئے تھے۔ ایک حبشی غلام ادب

سے ہاتھ باندھ کر ایک کونے میں کھڑا تھا۔تکلفات میں یہ دستر خوان بغداد کے کسی امیر کے دستر خوان سے کم نہ تھا۔

طاہر نے بیٹھتے ہوئے اسماعیل سے سوال کیا۔اور مہمان بھی آئیں گے؟

اس نے جواب دیا۔نہیں ۔باقی مہمانوں کا کھانا باہر کے مہمان خانے میں بھیج دیا گیا ہے۔آپا جان کہتی تھیں کہ آپ کو آرام کی ضرورت ہے ۔وہ لوگ آپ سے ساری رات سوالات پوچھتے رہتے ۔اس لیے آپ کے لیے یہاں انتظام کیا گیا ہے؟

کھانا کھانے کے بعد طاہر نے اسماعیل کے ساتھ مسجد میں جا کر عشا کی نماز ادا کی اور واپس کمرے میں آکر اس نے اسماعیل سے کہا!اب تمہیں نیند آرہی ہوگی ۔جاؤ سو جاؤ!

اسماعیل اُٹھ کر دروازے تک پہنچا لیکن کچھ سوچ کر پھر لوٹ آیا طاہر نے پوچھا کیوں بھئی، کیا بات ہے؟

اسماعیل نے کہا۔مجھے ڈر ہے کہ آپ مجھے سوتا چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

طاہر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔میں تمہیں مل کر جاؤں گا۔جاؤ اب آرام کرو۔

اسماعیل مطمئن سا ہو کر باہر نکل گیا۔

نوکر نے انگیٹھی میں جلتی ہوئی آگ پر اور لکڑیاں لا کر پھینک دیں اور طاہر کرسی سے اٹھ کر بستر پر لیٹ گیا۔ابھی وہ نیم خوابی کی حالت میں تھا کہ اسماعیل پھر کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا۔نانا جان آپ سے ملنے کے لیے آرہے ہیں ۔طاہر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔تھوڑی دیر بعد ایک درمیانے قد کا موٹا تازہ معمر آدمی کمرے

میں داخل ہوا۔طاہر نے جلدی سے اُٹھ کر مصافحہ کیا۔

شیخ عبدالرحمٰن نے طاہر کو دو تین بار سر سے لے کر پاؤں تک گھور کر دیکھا اور کسی تمہید کے بغیر سوال کیا:

آپ کا نام طاہر ہے؟

جی ہاں۔

آپ عرب ہیں؟

جی ہاں۔

تاتاریوں کے حملے کے وقت آپ قوقند میں تھے؟

جی ہاں۔

آپ وہاں کیا کام کرتے تھے؟

میں وہاں تیمور ملک کا ایک سپاہی تھا۔

عبدالرحمٰن نے مغموم لہجے میں کہا۔وہ بدنصیب بھی ایک سپاہی تھا۔

کون؟ طاہر نے سوال کیا۔

نصیرالدین۔ان بچوں کا باپ۔میں نے اپنی بیوی کو بہت سمجھایا تھا کہ ایک سپاہی کے ساتھ میری لڑکی کی شادی نہ کرو۔جب وہ بے چاری مر رہی تھی، یہ حضرت مصر میں نصرانیوں کے خلاف لڑ رہے تھے۔اس کے بعد اسے خوارزم شاہ کی خدمت کا شوق چرایا۔اب ان بچوں کی نانی رو رہی ہے۔بھلا ایسے داماد کے متعلق اور کیا خبر آسکتی تھی؟ سپاہی یا جنگ میں کام آتا ہے یا زخمی ہوتا ہے۔اب رونے سے کیا فائدہ؟

طاہر نے جواب دیا۔معاف کیجیے۔قوم کے سرفروش سپاہیوں کے متعلق میری

رائے آپ کی رائے سے مختلف ہے۔

عبدالرحمٰن نے کہا۔آپ بُرا نہ مانیے ۔میں اس موضوع پر بحث نہیں کیا کرتا۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میری عمر ساٹھ سال کے لگ بھگ ہے اور آج تک میرے جسم پر خراش تک نہیں آئی ۔میں ایک دفعہ سرکش گھوڑے سے گرا تھا۔اس کے بعد میں گھوڑے کی لگام کو ہاتھ لگانے سے پہلے اس کا حسب نسب پوچھ لیتا ہوں لیکن میں ان نوجوانوں پر حیران ہوں جو بار بار زخمی ہونے کے باوجود بھی تلواروں سے کھیلنا پسند کرتے ہیں۔

طاہر نے کہا۔قوم کی عزت اور آزادی صرف ایسے ہی نوجوانوں کے دم سے قائم ہے۔اگر قوم کے تمام افراد آپ کی طرح جسم پر خراش تک آنے سے ڈرنے لگیں تو تاتاری ہمارے لیے اس زمین پر سانس تک لینا دُشوار کر دیں گے۔

آپ نے غلط سمجھا۔مجھے عام سپاہیوں سے نفرت نہیں۔مجھے صرف ان لوگوں کے خلاف شکایت ہے جن کو گھر میں آرام میسر ہوتا ہے لیکن وہ صرف اپنے عزیزوں کو رُلانے کے لیے میدانِ جنگ میں چلے جاتے ہیں ۔نصرے الدین ایسے ہی آدمیوں میں سے تھا۔

طاہر نے کہا۔قوم کی عزت اور آزادی کے لیے لڑنا ہر شخص کا فرض ہے۔یہاں عام اور خاص کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔خدا کے نگاہ میں امیر اور غریب کے خون کی قیمت ایک ہی ہے، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر قوم آزاد ہو تو امراء زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں اس لیے قربانی کے وقت انہیں قوم سے پیچھے نہیں بلکہ آگے رہنا چاہیے۔

عبدالرحمٰن نے اس بحث میں لاجواب سا ہو کر گفتگو کا موضوع بدلنے کے لیے اسماعیل سے کہا۔کیوں اسماعیل!تم تاجر بنو گے یا سپاہی؟

میں سپاہی بنوں گا اور تاجر بھی بنوں گا۔

عبدالرحمٰن نے پریشان ہو کر طاہر کی طرف دیکھا اور کہا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ صبح جانا چاہتے ہیں؟

جی ہاں! میں آج ہی جانا چاہتا تھا لیکن آپ سے ملاقات کے شوق میں ٹھہر گیا
۔

بہت اچھا۔ میں صبح ضرور ملوں گا۔ یہ کہہ کر وہ اسماعیل کا بازو پکڑ کر باہر نکل گیا۔ بالا خانے کی سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے نانا اپنے نواسے سے بلند آواز میں کہہ رہا تھا ۔ بے وقوف! میں نے خوارزم شاہ کو دو لاکھ دینار بھیجے ہیں۔ اس رقم سے وہ کئی اور سپاہی اپنی فوج میں بھرتی کر سکتا ہے۔ میرا مقصد سپاہیوں کی توہین نہ تھا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ تاجر بھی اپنا کاروبار سنبھال کر قوم کے لیے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اگر تمہارا باپ خوارزم شاہ کے لیے جان دینے کی بجائے تجارت میں میرا ساتھی ہوتا تو ہم لاکھوں کا کاروبار اور بڑھا سکتے تھے اور خوارزم شاہ کو بہت زیادہ مدد دے سکتے تھے۔

اسماعیل کہہ رہا تھا۔ ابا جان نے خوارزشاہ کے لیے جان نہیں دی۔ اُنہوں نے ہماری آزادی اور عزت کے لیے جان دی ہے۔

اور وہ غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ اس لیے تو وہ تمہیں تنہا چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ خدا کا شکر کرو کہ اس نوجوان کو تمہاری مدد کے لیے بھیج دیا۔ ورنہ نہ معلوم تمہارا کیا حشر ہوتا لیکن تمہیں بحث کرنا کس نے سکھا دیا۔ چلو!

طاہر کو دوبارہ سیڑھیوں پر ان کے پاؤں کی آہٹ سُنائی دی اور وہ مسکراتا ہوا بستر پر لیٹ گیا۔

(۳)

صبح مسجد میں نماز پڑھنے کے بعد جب طاہر دوبارہ اپنے کمرے میں آیا تو اسماعیل وہاں موجود تھا۔وہ بولا دوسرے کمرے میں ناشتہ تیار ہے۔

طاہر ناشتہ کھا کر فارغ ہوا تو ایک نوکر نے آ کر کہا۔آقا آپ کو بلاتے ہیں۔

طاہر اسماعیل کی رہنمائی میں کمرے میں سے نکل کر ایک کشادہ برآمدے میں چند قدم چلنے کے بعد سیڑھیوں پر چڑھا اور بالائی منزل کے ایک خوش نما کمرے میں داخل ہوا۔عبدالرحمٰن ایک قالین پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔اس کے سامنے چاندی کے طشت میں ایک تھیلی پڑی ہوئی تھی ۔اُس نے اُٹھ کر طاہر کے ساتھ مصافحہ کیا اور اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا:

آپ کا گھوڑا تیار ہے۔ثریا کہتی تھی کہ آپ کا ایک دن ضائع ہوا۔اس لیے میں آپ کو اپنے اصطبل کا بہترین گھوڑا دے رہا ہوں۔میں شہر کے گورنر سے بھی مل چکا ہوں۔اس نے راستے کی چوکیوں کے نام یہ مراسلہ لکھ دیا ہے۔لیجیے۔

طاہر نے عبدالرحمٰن کے ہاتھ سے گورنر کو مراسلہ لیتے ہوئے کہا۔شکریہ!لیکن میرے پاس تیمور ملک کا مکتوب تھا۔

مجھے ثریا نے یہ بتایا تھا لیکن تیمور ملک کے اقبال کا ستارہ ان دنوں گردش میں ہے، مجھے ڈر تھا کہ شاید بلخ کے گورنر کے سپاہی اس کے مکتوب کو کوئی اہمیت نہ دیں۔ثریا نے یہ خدشہ بھی ظاہر کیا تھا کہ آپ کو تیمور ملک کا ساتھی سمجھ کر راستے کی چوکیوں کے افسر آپ سے طرح طرح کے سوالات پوچھیں گے اور آپ کا بہت سا وقت ضائع کریں گے۔

طاہر نے اٹھتے ہوئے کہا۔میں اس تکلیف کے لیے آپ کا شکر گزار ہوں۔

اب مجھے اجازت دیجیے۔

ٹھہریے! عبدالرحمٰن نے چاندی کا طشت اپنے ہاتھ میں لے کر اپنا بھاری بھر کم وجود سنبھالتے ہوئے اُٹھ کر کہا۔ میں آپ کی تکلیف کا صلہ نہیں دے سکتا۔

میری طرف سے یہ حقیر نذرانہ قبول کیجیے۔

طاہر کی خوب صورت اور کشادہ پیشانی پر ہلکی ہلکی شکنیں نمودار ہوئیں اور اس نے عبدالرحمٰن کے ہاتھوں سے طشت لے کر نیچے رکھ دیا اور تھیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس میں کیا ہے؟

دو ہزار اشرفیاں، لیکن اگر آپ اسے کم سمجھیں تو میں انہیں دُوگنا کرنے کے لیے تیار ہوں۔

آپ کو میرے متعلق غلط فہمی ہوئی۔ مجھے اجازت دیجیے۔ یہ کہتے ہوئے طاہر نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن عبدالرحمٰن پریشان سا ہو کر دونوں ہاتھوں سے اپنی قبا کا دامن مسل رہا تھا۔

تم خفا ہو گئے۔ کیسی غلط فہمی؟ میں تمہاری بڑی سے بڑی توقع پوری کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میں ثریا اور اسماعیل کو ہیروں سے تول کر تمہیں دے سکتا ہوں۔ احسان کا بدلہ احسان ہے۔ تم دل کھول کر مانگو اور میں دل کھول کر دوں گا۔ خدا کی قسم ثریا اور اسماعیل کی جان بچانے والا میرے گھر سے ناراض ہو کر نہیں جائے گا۔ میں ایک عرب ہوں!

طاہر نے کہا۔ میں نے آپ کے لیے کچھ نہیں کیا اور اگر کچھ کیا ہے تو وہ میرا فرض تھا۔ آپ عرب ہیں تو میں بھی ایک عرب ہوں لیکن عرب ہونے سے پہلے ہم دونوں مسلمان ہیں اور مسلمان کسی کے خلوص کو پیسوں سے تولا نہیں کرتے۔

عبدالرحمٰن اپنی قبا کو اب بُری طرح مسل رہا تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن عقب کے کمرے کے دروازے پر لٹکے ہوئے پردے کو جنبش ہوئی اور ثریا نے اچانک نمودار ہو کر عبدالرحمٰن کا ہاتھ پکڑ لیا۔

نانا جان! ثریا نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ آپ کو نانی جان بُلاتی ہیں۔ عبد الرحمٰن کچھ کہے بغیر ثریا کے ساتھ عقب کے دروازے کی طرف چل دیا اور ثریا اسے دروازے تک پہنچا کر طاہر کی طرف متوجہ ہوئی۔ ایک ثانیے کے لیے وہ خاموشی سے طاہر کی طرف دیکھتی رہی اور جب پردے کے پیچھے دروازہ بند ہونے کی آہٹ سنائی دی تو اس نے مغموم اور ملتجی لہجے میں طاہر سے کہا۔ میں آپ سے معذرت چاہتی ہوں۔ میں سب باتیں سُن چکی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ نانا جان کو ایک سادہ لوح تاجر سمجھ کر ان کی غلطی سے درگزر کریں گے۔ وہ تجارت کے سوا کُچھ نہیں جانتے۔ ان کے لیے ساری دنیا ایک منڈی ہے۔ وہ جب رات کے وقت آسمان پر جھلملاتے تارے دیکھتے ہیں تو بھی یہی سمجھتے ہیں کہ وہ آپس میں لیکن دین کر رہے ہیں خُدا کے لیے آپ یہاں سے خفا ہو کر نہ جائیں۔ یہ میری غلطی تھی۔ مجھے معلوم نہ تھا۔ ورنہ میں انہیں سمجھا دیتی۔ کہیے آپ ان کی غلطی معاف کرتے ہیں یا نہیں۔ میرے لیے؟

طاہر مسکرایا اور ثریا نے محسوس کیا کہ اس کے آسمان سے غم کے بادل چھٹ گئے ہیں۔ اس نے کہا۔ ثریا تم پریشان کیوں ہو۔ تمہارے لیے میں زہر میں بجھے ہوئے تیر بھی اپنے سینے پر کھا سکتا ہوں اور تمہارے نانا جی نے تو مجھے کچھ کہا ہی نہیں۔ میرے دل میں ان کی بہت عزت ہے۔ اپنے زاویہ نگاہ سے انہوں نے کوئی بُری بات نہیں کی۔ فرض کرو اگر میرے پاس کچھ نہ ہوتا تو میری ضروریات کا احساس کرنا ان کا فرض نہ تھا؟

ثریا مسکرائی اور اس کی مسکراہٹ کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بھر آئے۔ طاہر بیک وقت اس کے ہونٹوں پر کھیلنے والی مسکراہٹ اور اس کی آنکھوں میں چھلکتے ہوئے آنسوؤں پر حیران تھا۔ اس نے سورج کی ابتدائی کرنوں میں پھولوں کو بیدار ہوتے دیکھا تھا۔ اس نے گلاب کے کٹوروں میں شبنم کے موتی دیکھے تھے لیکن ثریا کی آنکھیں شبنم میں نہائے ہوئے پھولوں سے کہیں زیادہ دلفریب تھیں اس کے ہونٹ سُورج کی سنہری کرنوں میں مسکرانے والی کلیوں سے زیادہ جاذب نظر تھے۔

ایک بہادر عورت موت کے سامنے مسکرا سکتی ہے۔ انتہائی کرب کی حالت میں اپنے آنسو ضبط کر سکتی ہے لیکن اچانک مسرت کا پیغام سن کر جب وہ مسکراتی ہے تو آنکھیں بے اختیار د بے ہوئے آنسوؤں کے خزانے لٹا دیتی ہے۔

ثریا نے کہا۔ آپ تھوڑی دیر بعد یہاں ٹھہریے۔ نانی جان آپ کو خدا حافظ کہنے آئیں گی۔ اسماعیل انہیں جانے نہ دینا!

ثریا برآمدے میں سے گزر کر ساتھ کے کمرے میں داخل ہوئی اور جلدی سے یہ کمرہ عبور کرنے کے بعد عقب کے کمرے میں پہنچی۔ اس کمرے کا ایک دروازہ اس کمرے کی طرف کھلتا تھا جہاں اس کی نانی اور نانا آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ نیم و دروازے کے آگے لٹکے ہوئے پردے کے پیچھے کھڑی ہو کر وہ کچھ دیر ان کی باتیں سُنتی رہی۔ اس کا دل دھڑکنے لگا اور وہ اپنے گالوں اور کانوں میں ایک حرارت سی محسوس کرنے لگی۔

شیخ عبدالرحمٰن کہہ رہا تھا۔ ثریا بھی یہی چاہتی ہے؟

اور ثریا کی نانی کا جواب تھا۔ اور ثریا اگر یہ نہ چاہتی تو میں اسے بے وقوف سمجھتی

۔تم خود سوچو اگر تم خود ثریا کی جگہ ہوتے تو تمہارے دل میں ایسے نوجوان کے لیے ایک نہ مٹنے والی خواہش بیدار نہ ہوتی؟

عبدالرحمٰن نے قدرے تامل کے بعد جواب دیا۔اس میں شک نہیں کہ وہ خوش وضع ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ وہ شریف ہے۔عالی نسب بھی معلوم ہوتا ہے، میر چشم بھی ہے لیکن اگر ثریا کی جگہ میں ہوتا تو شادی کے لیے ایسے نوجوان کو منتخب کرنے کی حماقت نہ کرتا جو آٹھوں پہر سر ہتھیلی پر رکھے پھرتا ہو۔بہر حال مجھے اب یقین ہو چکا ہے کہ تم آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں مجھ سے ثریا کے متعلق اپنا فیصلہ منوا کر رہو گی اس لیے میں ہتھیار ڈالتا ہوں۔تم مطمئن رہو۔میں ابھی اس سے بات کرتا ہوں لیکن وہ چلا نہ گیا ہو۔اسماعیل! اسماعیل!!اس نے بلند آواز میں کہا۔

جی! اسماعیل کی آواز آئی۔

مہمان یہیں ہے؟

جی ہاں!

ان سے کہو تھوڑی دیر ٹھہریں۔میں ابھی آتا ہوں۔

حنیفہ نے کہا لیکن خدا کے لیے کوئی اور حماقت نہ کر بیٹھنا۔

اُس نے بگڑ کر کہا۔تم اب بھی مصر ہو کہ اسے اشرفیاں پیش کرنا حماقت تھی؟

حنیفہ نے جواب دیا۔حماقت نہیں تو اور کیا تھا!

خدا کی قسم! جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے۔مجھے یہ پہلا شخص ملا ہے جسے دولت سے نفرت ہے۔

اچھا اب خدا کے لیے جاؤ لیکن سوچ سمجھ کر بات کرنا۔

تو تمہارے خیال میں میں سوچ سمجھ کر بات نہیں کرتا۔خدا کی قسم دنیا میں

صرف تم ہو جسے میں اپنی دانش مندی کا معترف نہ بنا سکا۔ورنہ بلخ، بخارا اور سمرقند میں کوئی شاعر ایسا نہیں جس نے میری مدح میں قصیدے نہیں لکھے۔

اگر آج تم نے کوئی غلطی نہ کی تو میں بھی ہمیشہ کے لیے تمہاری عقل مندی کی معترف ہو جاؤں گی۔

تو پھر دروازے کے قریب بیٹھ کر غور سے باتیں سنتی رہو۔

ثریا اپنی توقع سے زیادہ سن چکی تھی۔وہ کمرے سے وحشی ہرنی کیطرح بھاگی اور چند کمرے چھوڑ کر اپنے کمرے میں جا پہنچی۔قد آدم آئینے میں اس نے اپنا چہرہ دیکھا۔اس کے گال سُرخ ہو رہے تھے۔اس نے جلدی سے کاغذ اور قلم اُٹھایا اور قالین پر بیٹھ کر لکھنے میں مصروف ہو گئی۔یہ ایک خط تھا۔اس کا پہلا خط۔۔۔،

عبدالرحمٰن دوسرے کمرے میں طاہر کے پاس کھڑا تھا۔اس نے اسماعیل کی طرف دیکھا اور کہا۔بیٹا! تم تھوڑی دیر کے لیے باہر جاؤ۔اسماعیل اُٹھ کر برآمدے میں جا کھڑا ہوا۔عبدالرحمٰن طاہر سے مخاطب ہوا۔

بیٹھ جاؤ بیٹا۔تمہیں دیر ہو رہی ہے لیکن میں ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ میں زیاہ وقت نہیں لوں گا۔

دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئے۔عبدالرحمٰن نے کہا ایسی باتوں کے لیے لوگ لمبی چوڑی تمہید باندھا کرتے ہیں لیکن تمہارے جانے کی جلدی ہے اور میں بھی بہت مصروف ہوں۔مہمان خانے میں بہت سے تاجر ٹھہرے ہوئے ہیں اور مجھے ان سے ضروری باتیں کرنی ہیں۔اس لیے میں اس قصے کو مختصر کرتا ہون۔ میں نے تمہیں دولت پیش کی اور وہ تم نے ٹھکرا دی اور سچ پوچھو تو مجھے اس بات پر بہت صدمہ ہوا ہے۔

طاہر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔اگر آپ اس بات پر ابھی تک مصر ہیں تو میں یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ جو رقم مجھے دینا چاہتے ہیں وہ خوارزم شاہ کے بیت المال میں بھیج دیں۔قوم کو اس سے زیادہ ضرورت شاید کبھی نہ ہو۔

میں تمہاری یہ خواہش رد نہیں کرتا۔یہ رقم وہاں بھیج دی جائے گی لیکن اس وقت میں کچھ اور کہنا چاہتا ہوں۔

تمہارے دل میں ایک ایسی خواہش ہے جو تم نے ابھی تک مجھ سے بیان نہیں کی۔عبدالرحمٰن کی بیوی پردے کے پیچھے کھڑی اپنے ہونٹ چبا رہی تھی۔

طاہر نے کہا۔تو آپ ہی بتا دیجیے وہ کونسی خواہش ہے؟

بات یہ ہے کہ تم اپنے اخلاق اور شرافت سے اپنے آپ کو ایک بہت بڑے انعام کا مستحق ثابت کر چکے ہو۔

طاہر نے کہا۔اگر وہ انعام سونے اور چاندی میں نہیں تو میں یقیناً اسے حاصل کرنا اپنی خوش بختی سمجھوں گا۔

نوجوان! تم صاف طور پر کیوں نہیں کہتے کہ تم ثریا کے سوا مُجھ سے اور کچھ نہیں مانگتے؟

طاہر نے آنکھیں جھکا لیں۔

بولتے کیوں نہیں؟

شریف نوجوان ایسے موقوں پر بولا نہیں کرتے۔یہ کہتے ہوئے حنیفہ نے دروازے کا پردہ ہٹایا اور اندر آ گئی۔طاہر ادب سے کھڑا ہو گیا۔معمر خاتون نے طاہر کے سر پر شفقت سے دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔جیتے رہو بیٹا! ثریا تمہاری ہے۔اب جاؤ لیکن جلدی واپس آنے کی کوشش کرنا۔

(۵)

صبا رفتار گھوڑے ہر جست اسے اس خطہ زمین سے دُور لے جا رہی تھی جہاں ہر ذرے کے پہلو میں اس نے محبت کی دھڑکنیں محسوس کی تھیں۔ شیخ عبدالرحمٰن کے محل اور بلخ کے بازاروں میں سے نکلتے ہوئے اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ اس شہر میں ایک اجنبی نہ تھا۔ ایک بلبل کی طرح جو ایک پھول سے آشناہ ہونے کے بعد سارے باغ کو اپنا سمجھ لیتی ہے۔ طاہر کو بلخ کی ہر شے اپنی محسوس ہوتی تھی ۔وہ جیسے مدتوں اس شہر میں رہ چکا تھا۔ برسوں ان فضاؤں میں پرواز کر چکا تھا۔

ثریا کو پہلی بار غور سے دیکھنے کے بعد اس نے محسوس کیا تھا کہ اس کی تصویر پہلے ہی اس کے دل میں موجود تھی اور اس کی آواز برسوں پہلے اس کے کانوں میں گونج چکی ہے۔ وہ نہ جانے کب سے ایک دوسرے کے ساتھی تھے۔

طاہر کو اچانک ایک خیال آیا اور وہ ایک ہاتھ سے اس تھیلے کو ٹٹولنے لگا جو اس کے پیچھے زین کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ یہ خوب صورت تھیل اُس نے گھوڑے پر سوار ہوتے وقت دیکھا تھا اور اسماعیل نے کہا تھا کہ آپا جان نے اس میں کھانے کی چیزیں رکھوادی ہیں۔ شہر سے نکلنے کے بعد وہ خیالات کی دنیا میں کھو گیا اور چند کوسش تک اسے اس تھیلے کا خیال نہ آیا۔

اس بات سے مطمئن ہو کر کہ تھیلا زین کے ساتھ مضبوطی سے بندھا ہوا ہے۔ وہ پھر خیالات کی دنیا میں کھو گیا۔ ایک ندی کے کنارے پر پہنچ کر وہ گھوڑے سے اُترا اور ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔

پانی پینے کے بعد گھوڑا کنارے پر اُگی ہوئی گھاس کے تنکے نوچنے لگا۔ طاہر کو بھوک محسوس ہوئی ۔س نے اُٹھ کر تھیل اُتارا اور پھر پتھر پر بیٹھ گیا۔ تھیلا کھولتے ہی

اس کی نگاہ کھانے سے پہلے ایک ریشمی رومال پر پڑی۔اس نے رومال نکالا۔رومال میں لپٹے ہوئے کاغذ کی سرسراہٹ اور اس کے ساتھ ہی ایک خوش گوار مہک سے طاہر نے اپنے پہلو میں خوش گوار دھڑکنیں محسوس کیں۔اس نے رومال میں لپٹا ہوا کاغذ نکالا۔کھولا۔سیاہ الفاظ رنگا رنگ کے پھول بن کر اس کی نگاہوں کے سامنے رقص کرنے لگے۔اس اپنا تنفس بھی بار محسوس ہو رہا تھا۔فضا میں ایک نغمہ گونج رہا تھا۔ایسا نغمہ جس کی تانیں بہت بلند تھیں آہستہ آہستہ اس نغمے کے سُر دھیمے ہونے لگے۔رقص کرتے ہوئے پھول سیاہ دھبوں میں تبدیل ہونے لگے۔وہ ثریا کا خط پڑھنے لگا۔پہلی بار اس کے ہونٹوں کو جنبش نہ ہوئی۔دوسری بار اس کے ہونٹ ہلنے لگے تیسری بار وہ بلند آواز میں پڑھ رہا تھا۔

"میرے محسن! تم نے کہا تھا کہ ایسے پُر آشوب زمانے میں کہنے اور سُننے کا موقع بار بار نہیں آتا۔میں یہ سطور اسی احساس کے ماتحت لکھ رہی ہوں۔نانا اور نانی جان میری دائمی حفاظت کے لیے آپ کو منتخب کر چکے ہیں۔مجھے ڈر ہے کہ میں نے اپنی بے قراری کا مظاہرہ کر کے اپنے آپ کو ایک مجاہد کی خادمہ بننے کا اہل ثابت نہیں کیا۔

جب آپ بلخ سے کچھ فاصلے پر مجھے خدا حافظ کہنا چاہتے تھے تو میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔اس وقت میرے لیے یہ احساس ناقابلِ برداشت حد تک تکلیف دہ تھا کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر اپنی زندگی کی کتاب کا نیا ورق اُلٹنے والے ہیں۔مجھے یہ اطمینان نہ تھا کہ وقت کے ہاتھ ہمیں پھر ایک

بار ایک ہی شاہراہ پر لا کھڑا کریں گے۔

اب میں اپنے دل میں یہ اطمینان محسوس کرتی ہوں اور آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ آئندہ آپ کبھی میری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھیں گے۔

میں یہ ضرور کہوں گی کہ آپ بغداد جیسے پُر رونق شہر میں پہنچ کر اس چھوٹے سے شہر کو بھول نہ جائیں لیکن ساتھ ہی یہ دعا بھی کرتی رہوں گی کہ میرا خیال آپ کے بلند ارادوں میں حائل نہ ہو۔ میری یاد آپ کے پاؤں کی زنجیر نہ بن جائے۔ غالباً نانا اور نانی جان آپ سے بہت جلد بلخ لوٹنے کا مطالبہ کریں گے لیکن میں یہ التجا کرتی ہوں کہ جب تک بغداد میں آپ کا مقصد پورا نہ ہو، واپس آنے کا ارادہ نہ کریں۔ میری فکر نہ کریں۔ میں ہمیشہ آپ کی ہوں۔ جب تک سُورج دنیا کو صبح کا پیغام دیتا رہے گا اور رات کے وقت ستارے آسمان پر جگمگاتے رہیں گے، میں آپ کا انتظار کرتی رہوں گی۔ آپ خواہ کہیں ہوں، میرے لیے یہ اطمینان کافی ہو گا کہ آپ میرے ہیں۔

ثریا

طاہر نے خط اپنی جیب میں ڈال لیا۔ اس کی بھُوک مر چکی تھی۔ اس نے بے توجہی سے چند نوالے کھائے اور تھیلی زین سے باندھ کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ گھوڑا ہوا سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کے کانوں میں ثریا کے یہ الفاظ ایک نغمہ بن کر گونج رہے تھے۔ آپ خواہ کہیں ہوں میرے لیے یہ اطمینان کافی ہو گا کہ آپ میرے ہیں۔

دعوتِ عمل

زید نے حسب معمول عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد اصطبل میں ایک چکر لگایا۔ نوکروں کو ڈانٹ ڈپٹ کی اور مکان کے ایک کمرے میں واپس آ کر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ شمع بُجھانے کے لیے اُٹھا لیکن سوچ کر بستر کے نیچے ہاتھ ڈال کر لوہے کا مضبوط صندوق ٹٹولنے لگا اور زور زور سے صندوق کھینچنے کے بعد مطمئن سا ہو کر اس نے شمع بجھادی۔ یہ صندوق جس کے اندر طاہر کی باقی دولت کے علاوہ صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار بھی تھی ۔زید کو اپنی جان سے زیادہ عزیز تھا۔طاہر کے جانے کے بعد اس نے گھر سے باہر نکلنا ترک کر دیا تھا۔وہ ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر بغداد کے ان بے شمار چوروں اور ڈاکوؤں کے خلاف لڑنے کے لیے تیار ہو جاتا جو اس کے خیال میں طاہر کے چلے جانے کے بعد اس صندوق پر تاک لگائے بیٹھے تھے۔ابتدائی چند ہفتے تو وہ تلوار ہاتھ میں لیے ساری رات بیٹھا رہتا۔اس کے بعد اس نے پلنگ پر سونے کی بجائے صدوق پر بستر جما لیا لیکن صندوق لمبائی اور چوڑائی میں چھوٹا تھا، کئی بار وہ کروٹ بدلتے وقت نیچے گر پڑا۔آہستہ آہستہ اس کے خدشات کم ہوتے گئے اور اس نے صندوق گھسیٹ کر پلنگ کے نیچے کر لیا۔اب مکان کے نوکر یہ کہا کرتے تھے کہ رات کو سوتے وقت اس کی بڑبڑانے کی بیماری کم ہو گئی ہے۔

زید کو بھی اچھی طرح نیند نہ آئی تھی کہ اسے پھاٹک کی طرف کھٹ کھٹاہٹ اس کے بعد چوکیدار کی آواز اور پھر پھاٹک کھُلنے کی چڑ چڑاہٹ سنائی دی۔وہ تلوار سنبھال کر اُٹھا اور بلند آواز میں چلایا۔کون ہے؟

اپنے سوال کا جواب نہ پا کر وہ اندھیرے میں راستہ ٹٹولتا ہوا کمرے کے دروازے کے قریب پہنچا اور کواڑ سے کان لگا کر سُننے لگا۔ایک گھوڑا پھاٹک کے اندر

داخل ہو رہا تھا اور نوکر ایک دوسرے کو جگا رہے تھے۔

زید کہاں ہے؟ کسی نے مکان کے قریب آ کر پوچھا۔

زید کا دل خوشی سے اچھلنے لگا۔ یہ طاہر کی آواز تھی۔ جب چوکی دار نے یہ جواب دیا کہ وہ سو رہا ہے تو اس نے چادر اوڑھنے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی۔ جھٹ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور بھاگتا ہوا طاہر سے لپٹ گیا۔

لیکن تمہارے ہاتھ میں ننگی تلوار؟

اُف! مجھے یاد نہیں رہا۔ میں نے آپ کو ڈاکو سمجھ کر اسے اُٹھایا تھا۔

طاہر ہنس پڑا اور زید نے محسوس کیا کہ اسے اچانک شکایات کے وہ ہزاروں الفاظ بھول گئے ہیں جنہیں وہ انتظار کی نہ ختم ہونے والی راتوں میں دُہرایا کرتا تھا۔ وہ فقط اتنا کہہ سکا۔ آپ تندرست تو رہے؟ زخمی تو نہیں ہوئے؟ میں بہت پریشان تھا۔

طاہر نے جواب دیا۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔

میں نے کل آپ کے متعلق ایک نجومی سے پوچھا تھا۔

اس نے کیا بتایا؟

اب اگر وہ مجھے مل جائے تو اس کی کتابیں چھین کر دریا میں پھینک دوں گا۔ جھوٹا فریبی۔ مکار۔

پھر بھی اس نے کیا بتایا تھا تمہیں؟

خدا اسے غارت کرے۔ وہ کہتا تھا کہ آپ کا ستارہ گردش میں ہے۔ اور آپ تاتاریوں کی قید میں ہیں اور جب تک ستارے کی گردش ختم نہیں ہوتی، آپ واپس نہیں آئیں گے لیکن ستارے کی گردش ایک سال کے اندر اندر ختم ہو جائے گی۔ میں

نے اس بے ایمان کو خواہ مخواہی پانچ دینار دیے۔اس نے آپ کے متعلق اور بھی بہت سی واہیات باتیں کہی تھیں۔

طاہر نے ہنستے ہوئے پوچھا۔وہ کیا؟

زید نے نوکروں کو متوجہ دیکھ کر رازداری کے لہجے میں کہا۔چلیے اندر چلیے!

طاہر نے باورچی کو کھانا تیار کرنے کا حکم دیا اور زید کے ساتھ اندر چلا گیا۔ کمرے میں پہنچ کر زید نے مشعل جلائی۔روشنی میں اسکی نگاہیں طاہر کی بلائیں لے رہی تھیں۔طاہر نے پوچھا۔ہاں وہ واہیات باتیں کیا تھیں؟

وہ کہتا تھا کہ آپ پر ایک تاتاری شہزادی عاشق ہو جائے گی اور اس کی بدولت آپ تاتاریوں کی قید سے خلاصی پائیں گے۔کل اگر وہ مجھے مل گیا تو اس کی ایسی گت بناؤں گا کہ تمام عمر یاد کرے گا۔

طاہر نے پوچھا۔مدینے سے کوئی خط آیا؟

احمد بن حسن یہاں خود آئے تھے اور دو ہفتے رہ کر چلے گئے،وہ کہتے تھے کہ آپ بغداد پہنچتے ہی اپنا حال لکھیں۔

طاہر نے اپنے دوستوں کے متعلق پوچھا۔زید نے جواب دیا۔مبارک قریباً ہر روز آ کر پوچھ جاتا ہے۔عزیز اور عبدالملک دورے تیسرے دن آ کر پوچھ جاتے ہیں۔باقی کبھی کبھی آتے ہیں۔ہاں ایک بڑھیا بھی یہاں کئی بار آئی اور وہ بھی آپ کے متعلق پوچھا کرتی ہے۔

وہ کون ہو سکتی ہے؟

مجھے معلوم نہیں۔ میں نے ایک دن اس کا پیچھا کیا تھا۔وہ دریا کا پل عبور کرنے کے بعد وزیراعظم کے محل میں داخل ہو گئی تھی۔

طاہر نے کہا۔اب میں ایک اہم کام تمہارے سپرد کرتا ہوں۔تم ابھی عبد العزیز کے پاس جاؤ انہیں میری طرف سے کہو کہ وہ عبدالملک اور باقی قابل اعتماد دوستوں کو لے کرفوراً یہاں آجائیں۔اگر وہ سو رہے ہوں تو بھی انہیں کہنا کہ بہت ضروری کام ہے۔میرا خط لیتے جاؤ۔

(۲)

طاہر کھانا کھا کر فارغ ہوا تو زید،عبدالعزیز،عبدالملک اور مبارک کو اپنے ہمراہ لے کر پہنچ گیا۔زید دوسرے کمرے میں جا کر لیٹ گیا اور طاہر اپنے دوستوں کے ساتھ دیر تک باتیں کرتا رہا۔عبدالعزیز کی نگاہ میں خلیفہ،وزیر اعظم اور وحیدالدین تینوں اس اس سازش شریک تھے۔مبارک کی اپنی کوئی رائے نہ تھی۔وہ صرف عبد لعزیز کی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا۔

عبدالملک بولنے کی بجائے سوچ رہا تھا۔جب طاہر نے اس کی رائے دریافت کی تو اس نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد یہ کہا۔آپ کے ساتھی جو اس سازش کے ثبوت میں پیش کیے جا سکتے تھے،مارے جا چکے ہیں۔وحیدالدین ابھی تک روپوش ہے،اس کی جگہ اس کا نائب مہلب بن داؤد کام کر رہا ہے۔جب تک ہم وحیدالدین کا پتہ نہیں لگاتے ہم کسی پر کوئی جرم ثابت نہیں کر سکتے۔اگر وہ مر چکا ہے یا کسی نامعلوم قید خانے میں پڑا ہوا ہے تو کم از کم میں اس کے متعلق یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس کا اس سازش کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

عبدالعزیز نے سوال کیا۔وہ کیسے؟

عبدالملک نے جواب دیا۔اسید ر پردہ مارنے یا قید کرنے میں اس شخص کو دل چسپی ہو سکتی ہے جسے اس کو عوام کے سامنے لانے میں اپنی سازش کا بھانڈا پھوٹ

جانے کا ڈر ہو، مثلاً خلیفہ یا وزیر اعظم یا کوئی اور جس نے اس کے نام سے سازش کی ہے۔اس کے برعکس اگر وہ اپنی مرضی سے کہیں چھپا ہوا ہے تو یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ وہ تنہا ان سب باتوں کا ذمہ دار ہے۔اس لیے جب تک ہم وحید الدین کے غائب ہونے کا راز نہیں کھولتے، ہمیں ان واقعات کا کسی سے ذکر نہیں کرنا چاہیے۔

طاہر نے کہا۔ یہ راز صرف تین شخصیتوں سے معلوم ہوسکتا ہے۔خلیفہ، وزیر اعظم اور مہلب بن داؤد۔ میں مہلب کو اس لیے شریک کرتا ہوں کہ وحید الدین کے غائب ہونے کے بعد عام حالات میں خلیفہ کو اس کے نائب پر قطعاً بھروسہ نہیں ہونا چاہیے۔اس کے علاوہ اس کے ایک دم وزیر خارجہ بن جانے سے بھی شکوک پیدا ہوتے ہیں۔اب سوال یہ ہے کہ ان تینوں میں سے پہلے کس سے ملوں۔

عبدالملک نے کہا۔سب سے پہلے وزیر اعظم سے ملیں۔خلیفہ کے وسیع محل میں ایسے اسرار کو جاننے والے ہمیشہ کے لیے دفن ہوسکتے ہیں لیکن وزیر اعظم کے محل میں کم از کم ایک وجود ایسا ہے جسے آپ اپنا کہہ سکتے ہیں۔

وہ کون؟ طاہر نے سوال کیا۔

عبدالملک نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔آپ بھول گئے؟ میں تو آپ کی خاطر ہر دوسرے یا تیسرے دن اپنی بیوی کو صفیہ کی تسلی کے لیے بھیجتا رہا ہوں۔

طاہر نے کہا۔میرے ساتھ آپ کی ہمدردی اخلاقی قیود سے تجاوز تو نہیں کر گئی؟

نہیں۔میں صرف ایک دوست کا فرض پورا کیا ہے۔وہ آپ کے متعلق واقعی بہت پریشان تھی!

طاہر نے کہا۔ مجھے آپ کو بڑا بھائی بنانے پر اعتراض نہیں ۔لیکن یہ اطمینان رکھیے کہ اس لڑکی سے میرا کوئی سروکار نہیں ۔

بہر حال اسے آپ سے اُنس ہے۔ اُنس نہیں محبت ہے والہانہ محبت ۔ میں خوش ہوں کہ وہ اس قابل ہے۔میری بیوی بھی اس کی بہت تعریف کرتی ہے ۔

چاروں دوست پھر اصل موضوع پر لوٹ آئے اور دیر تک بحث کرنے کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ طاہر سب سے پہلے وزیر اعظم سے ملے ۔عبدالعزیز وہیں سو گیا اور عبدالملک اور مبارک اپنی اپنی قیام گاہ کی طرف چل دیے ۔

(۳)

علی الصباح نماز سے فارغ ہو کر طاہر وزیر اعظم کے محل پر پہنچا۔ باغیچے میں سے گزرتے ہوئے وہ دونوں جانب خوش نما پھولوں کی کیاریاں دیکھ رہا تھا۔ اچانک اسے پھولوں کے درمیان ایک خوب صورت لڑکی دکھائی دی ۔وہ آہستہ آہستہ چہل قدمی کر رہی تھی ۔اس کے ہاتھ میں چند پھول تھے ۔وہ ایک پودے کے پاس پہنچ کر رُکی ۔ جھک کر ایک پھول توڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن طاہر کے پاؤں کی آہٹ پا کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی ۔ طاہر نے ایک ہی نگاہ میں اسے پہنچان لیا ۔ وہی بڑی بڑی آنکھیں جو اس نے دریائے دجلہ کے کنارے دیکھی تھیں اور وہی حسین چہرہ جو اس نے چاند کی روشنی میں اس باغ کے ایک گوشے میں دیکھا تھا۔۔۔۔وہ صفیہ تھی ۔وہی صفیہ!

طاہر کو دیکھتے ہی اس کا چہرہ مسرت سے تمتما اُٹھا۔ ایک لمحے کے لیے طاہر جھجکا ۔رُکا۔ پھر لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا آگے نکل گیا۔

وزیر اعظم نے اطلاع ملتے ہی اسے اندر بلا لیا بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا اور

کہا۔تم نے بہت دیر لگائی، میں مایوس ہو چکا تھا۔کب پہنچے؟

طاہر نے ذرا تفصیل کے ساتھ ان سوالات کا جواب دینے کی کوشش کی لیکن اس نے جلد ہی محسوس کیا کہ وزیر اعظم کے خیالات کہیں اور ہیں۔مایوسی سے زیادہ اسے پریشانی ہوئی۔اس کا خیال تھا کہ وزیر اعظم فوراً ابو اسحق، کمال اور جمیل کے متلعق پوچھے گا لیکن اسے جیسے ان کے متعلق یاد بھی نہ تھا۔

طاہر نے ابھی تک تفصیل کے ساتھ قراقرم پہنچنے کے حالات بیان نہ کیے تھے کہ وزیر اعظم نے بات کاٹ کر سوال کیا۔خلیفہ کا خط پڑھ کر چنگیز خان نے کیا کہا تھا؟

اس نے کہا تھا کہ ہم خوارزم پر چڑھائی کرنے کا ارادہ ترک کر چکے ہیں۔

جھوٹا!فریبی!!اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

طاہر نے کچھ سوچ کر کہا۔لیکن چنگیز خان کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ اسے خلیفہ کے غیر جانب دار رہنے کے متعلق اطمینان ہو چکا ہے۔شاید قراقرم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو چنگیز خان کو یہ تسلی دے رہے ہیں کہ خوارزم شاہ کے متعلق خلفیہ کا ظاہر باطن ایک نہیں۔

یہ تو ہر احمق کو علم ہے اور میں چنگیز خان کو احمق نہیں سمجھتا۔بہر حال مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ تمہیں وہاں بھیجا گیا۔اب دُنیا کو یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ ہم نے در پردہ چنگیز خان کی حوصلہ افزائی کی ہے۔سپہ سالار کے مستعفی ہو جانے سے اس قسم کے شکوک اور بڑھ جائیں گے۔

سپہ سالار مستعفی ہو گئے؟

وزیر اعظم اس سوال پر چونکا۔ابھی یہ خبر کسی پر ظاہر نہ کرنا۔میں کوشش کر رہا

ہوں کہ وہ اپنا استعفیٰ واپس لے لیں اس وقت ہمیں ان کی ضرورت ہے۔

طاہر نے کہا۔وحید الدین کے متعلق کچھ پتہ چلا؟

نہیں اور مجھے اب ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔

میں خلیفہ سے ملنا چاہتا ہوں۔کیا آپ اس بارے میں میری کوئی مدد کریں گے؟

وزیراعظم نے بے پروائی سے جواب دیا۔خلیفہ کو نوجوانوں کے جذبات کا کوئی لحاظ نہیں۔تم انہیں یہ کہو گے کہ خوارزم شاہ کی مدد کا فوراً اعلان کر دیا جائے اور تمہیں وہی جواب ملے گا جس سے مایوس ہو کر سپہ سالار مستعفی ہونا چاہتا ہے اور وہ جواب یہ ہے کہ تمہیں ہم نے کب سے مشیر بنایا ہے؟

ممکن ہے کہ میں خلیفہ کے سامنے آنے والے خطرات کا صحیح نقشہ پیش کر سکوں اور۔۔۔۔

وزیراعظم نے بات کاٹ کر کہا۔برخودار!بغداد میں سمجھانے والوں کی کمی نہیں۔تم جاؤ۔میں وقت آنے پر تمہیں بلا لوں گا۔تمہارے لیے میں کوئی موزوں عہدہ سوچ رہا ہوں۔چند دنوں تک تمہیں اطلاع مل جائے گی۔

طاہر نے کہا۔میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ موجودہ صورتِ حالات میں سلطنت میں کسی عہدے پر فائز ہو کر کوئی شخص قوم کی صحیح خدمت سرانجام نہیں دے سکتا۔تاہم میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وقت آنے پر میں اپنے آپ کو قوم کا ایک جاں نثار سپاہی ثابت کر سکوں گا۔

(۴)

صفیہ اپنے ہاتھ میں پھولوں کا ایک گلدستہ باغ میں گزرنے والی نہر کے

کنارے کھڑی تھی۔ وہ ایک پھول کو بہتے ہوئے شفاف پانی میں پھینک دیتی اور جب وہ کچھ دور نکل جاتا تو وہ دُوسرا پھول پھینک دیتی۔ جب گلدستہ ختم ہو جاتا وہ پاس کی کیاریوں سے نئے پھول توڑ کر گلدستہ بناتی اور پھر اسی کھیل میں مشغول ہو جاتی۔

صفیہ کا تیسرا گلدستہ تقریباً ختم ہو چکا تھا کہ اسے طاہر ڈیوڑھی سے نکل کر دروازے کی سیڑھیوں سے اترتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے جلدی سے سنگِ مرمر کے پُل پر سے گزر کر نہر عبور کی اور پاس کی کیاری سے پھول توڑنے لگی۔ طاہر قریب آ رہا تھا۔ صفیہ نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ آس پاس کوئی نہ تھا۔ تاہم اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ وہ جھجکتے ہوئے پھولوں کی کیاری سے باہر نکلی۔ نہر عبور کر کے دوبارہ سڑک پر پہنچنے کے لیے سنگِ مرمر کی سِل پر پاؤں رکھا لیکن نگاہوں کے سامنے حیا کے پردے حائل ہو گئے۔ اس کا ڈگمگاتا ہوا پاؤں اچانک پھسلا اور وہ پانی میں آ رہی۔ طاہر نے جلدی سے آگے بڑھ کر سہارا دینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ صفیہ نے ہچکچاتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے چہرے پر حیا کی سُرخی و سپید لہریں رقص کرنے لگیں۔

شکریہ! اس نے باہر نکل کر اپنی بدحواسی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

مجھے بہت افسوس ہے۔ آپ کو چوٹ تو نہیں آئی۔ طاہر بولا۔

نہیں۔

طاہر نے تذبذب کی حالت میں ایک قدم اُٹھایا لیکن صفیہ نے جلدی سے کہا۔ میں یہ پھول توڑ رہی تھی۔ لیجیے! اس نے پھول طاہر کی طرف بڑھا دیا اور طاہر نے بدحواسی کی حالت میں پھول پکڑ لیے۔

وہ بولی۔بغداد میں آپ کا بہت انتظار تھا۔آپ نے بہت دیر لگائی؟

ہاں کچھ ایسے ہی حالات پیدا ہو گئے تھے۔

طاہر کوئی اور بات کیے بغیر چل دیا۔صفیہ کچھ دیر وہیں کھڑی رہی۔کیاریوں کے پھول مسکرا رہے تھے اور نہر کا شفاف پانی قہقہے لگا رہا تھا۔اس نے پھر چند پھول توڑے اور سنگِ مرمر کی سل پر کھڑی ہو کر انہیں ایک ایک کر کے ندی میں پھینکنے لگی۔

صفیہ!صفیہ!!تم آج گھر نہیں آؤ گی؟ سکینہ ڈیوڑھی کے قریب سنگِ مرمر کی سیڑھیوں پر کھڑی اسے پکار رہی تھی۔

آئی سکینہ۔اس نے جلدی سے قدم اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔

محل سے باہر نکلنے کے بعد طاہر دریا کے پل پر تھوڑی دیر کھڑا رہا۔اس نے پھولوں کی طرف غور سے دیکھا پھر جھک کر بہتے ہوئے پانی کی طرف دیکھنے لگا۔کسی گہرے خیال میں پھولوں پر اس کے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی ہو گئی۔پھول گر کر دریا میں تیرتے ہوئے اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ثریا!ثریا!! میں تمہارا ہوں صرف تمہارا۔وہ یہ کہتا ہوا وہاں سے چل دیا۔ہر قدم پر اس کی رفتار تیز ہو رہی تھی۔

اس کے مکان پر عبدالعزیز،عبدالملک،مبارک اور افضل اس کا انتظار کر رہے تھے۔انہوں نے اسے دیکھتے ہی سوالات کی بوچھاڑ کی دی۔طاہر نے اطمینان سے بیٹھتے ہوئے کہا۔میں حیران ہوں کہ اب تک یہ بات میرے ذہن میں کیوں نہیں آئی کہ اس وقت ہم سازش کے اصلی مجرم کو پکڑنے یا پکڑوانے میں کامیاب بھی ہو جائیں تو اس سے خوارزم کی مصیبت ٹل نہیں جاتی۔ہو سکتا ہے کہ وزیر اعظم مجرم ہو۔یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خلیفہ کا بھی اس میں ہاتھ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں بری الذمہ ہوں لیکن وقت ایسا نہیں جسے ضائع کیا جائے۔تاتاریوں کا سیلاب بہت

تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔اس وقت سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ اہلِ بغداد کو آنے والے خطرات سے آگاہ کیا جائے۔انہیں غفلت کی نیند سے بیدار کیا جائے۔بغداد میں ہر فرقے دوسرے فرقے اور ہر گروہ نے دوسرے گروہ کے خلاف مورچہ بنا رکھا ہے۔انہیں اب یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ ایک محاذ ایسا بھی ہے جہاں کفر کی تمام طاقتیں جمع ہو کر مسلمانوں کی تمام قوت کو متحد ہونے کی دعوت دے رہی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ایک مشترکہ خطرہ ہمیں اجتماعی جدوجہد کے لیے آمادہ کر سکتا ہے۔ایسی صورت میں وہ لوگ جو چھپ چھپ کر تاتاریوں کی حمایت کر رہے ہیں، کھلے بندوں ہمارے سامنے آجائیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ اب بغداد کی ہر مسجد سے ایک ہی نعرہ بلند ہو اور وہ یہ کہ تاتاریوں کے مقابلے میں ہم ایک ہیں۔سب سے پہلے میں بغداد کی جامع مسجد میں یہ نعرہ لگاؤں گا۔

افضل نے کہا۔خدا کرے آپ کو کامیابی ہو لیکن گزشتہ دو تین صدیوں میں بغداد کے مسلمان صرف آپس میں ایک دوسرے کا سر پھوڑنا سیکھ چکے ہیں۔سُنی شیعہ کا دشمن ہے تو شیعہ سنی کے خون کا پیاسا۔حنفی، مالکی اور شافعی ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں۔آپ کسی مسجد میں جائیں۔کسی اجتماع کو مخاطب کریں، آپ سے پہلا سوال یہ پوچھا جائے گا کہ حضرت آپ کون سے فرقے سے تعلق رکھتے ہیں؟

طاہر نے جواب دیا کہ مجھے ان سب مشکلات کا احساس ہے لیکن میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ اب یہ صورتِ حالات زیادہ دیر قائم رہ سکتی ہے۔مشترکہ خطرے کا احساس ان اختلافات کو مٹا سکتا ہے۔

افضل نے کہا۔اس کے ذمے دار ہمارے وہ تن آسان علماء ہیں جن کے

سامنے کوئی نصب العین نہیں لیکن آج انہیں یہ بتایا جا سکتا ہے کہ تمھارا مقابلہ ایک ایسی قوم سے ہے جو ہر کلمہ گو کی دُشمن ہے۔تمہاری آزادی کے چراغ بجھنے والے ہیں۔ہم ان علماء کو یہ کہیں گے کہ تم نے مسلمانوں کو ایک دُوسرے کے ساتھ لڑا کر دیکھ لیا۔اب کفار میدان میں تمہیں للکار رہے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ عوام انہیں گھسیٹ کر میدان میں لے آئیں گے۔

عبدالعزیز اور عبدالملک نے بھی اس بحث میں حصہ لیا اور بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ طاہر جمعہ کے روز جامع مسجد میں اہلِ بغداد کو خوازم کے حالات سے آگاہ کرے اور اس سے قبل شہر میں یہ مشہور کردیا جائے کہ ایک شخص اہلِ بغداد کے نام خوارزم کے مظلوم مسلمانوں کا پیغام لایا ہے۔

اُٹھنے سے پہلے عبدالعزیز نے کہا۔مجھے یقین ہے کہ حکومت ہمیں دیر تک ایسی سرگرمیوں کی اجازت نہ دے گی اور آئندہ چند ہفتوں کے بعد ہماری منزل خوارزم کا میدانِ جنگ ہوگا لیکن ہمارے لیے بہتر ہوگا کہ حکومت پر ہماری سرگرمیاں ظاہر نہ ہوں۔طاہر کی تقریر کے بعد وہ لوگ جو تاتاریوں کے پاس ہمیں فروخت کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔خاموش نہیں بیٹھیں گے۔اس کے بعد ہمیں طاہر کو اس وقت تک چھپا کر رکھنا پڑے گا جب تک عوام کا جوش ان کے لیے ایک ناقابلِ تسخیر قلعہ نہیں بن جاتا۔اگر وزیر اعظم یا خلیفہ کی نیت بُری ہے تو وہ طاہر کو فوراً گرفتار کرنے کی کوشش کریں گے اور ان دنوں بدقسمتی سے غداروں کی ہم میں کمی نہیں۔اس لیے آپ کے سامنے سب سے پہلے میں طاہر کے ساتھ وفاداری کی قسم کھاتا ہوں اور آپ سے بھی قسم اٹھانے کی درخواست کرتا ہوں۔

تمام دوستوں نے یہ قسم اُٹھائی تو عبدالعزیز نے کہا۔اب اگر ہم میں سے کوئی

غدر ا ثابت ہوا تو باقی دوستوں کا یہ فرض ہو گا کہ وہ اس کی گردن اُڑا دیں۔

سب دوستوں نے اس تجویز کی تائید کی اور یہ محفل برخاست ہوئی۔

(۵)

جمعہ سے پہلے شہر کی ہر مسجد اور ہر درس گاہ کے دروازے پر اس مضمون کے اشتہار چسپاں تھے کہ نماز جمعہ کے بعد ایک شخص ترکستان کے مسلمانوں پر تاتاریوں کے مظالم کے چشمِ دید حالات بیان کرے گا۔ قاضی فخر الدین نے شہر کے چند با عمل علماء اور مختلف درس گاہوں کے طلباء نے بغداد کی گلیوں اور کوچوں میں پھر کر یہ منادی کر دی کہ بغداد کے مسلمانوں کے نام ترکستان کے مسلمانوں نے ایک پیغام بھیجا ہے اور یہ پیغام لانے والا وہ نوجوان ہے جس کے باپ نے ہلال وصلیب کی جنگ میں یروشلم پر مسلمانوں کی فتح کا پرچم لہرایا تھا اور صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار بطورِ انعام حاصل کی تھی۔

جمعرات کی شام کو طاہر کو وزیر اعظم نے اپنے محل میں بلایا اور اس سے سوال کیا کہ تم بغداد کے لوگوں کو کیا پیغام دینا چاہتے ہو؟

وزیر اعظم کے متعلق طاہر کے شبہات ایک بار پھر تازہ ہو چکے تھے لیکن اس نے تدبر سے کام لینا مناسب سمجھا اور جواب دیا۔ یہ آپ جانتے ہیں کہ سلطنتِ خوارزم تاتاریوں کی آخری منزل نہیں۔ انہیں اگر وہاں کامیابی حاصل ہوئی تو ان کی دُوسری منزل عراق ہو گی۔ ممکن ہے کہ دولتِ عباسیہ کے ساتھ چنگیز خان کے دوستانہ تعلقات قائم رہیں لیکن کمزور کے لے طاقت ور کی دوستی کا بھروسہ حماقت ہے، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ہم بُرے سے بُرے حالات کے مقابلے کے لیے تیار ہو جائیں۔ میں بغداد کے سوئے ہوئے مسلمانوں کو بیدار کرنا چاہتا ہوں تا کہ اگر دشمن

آجائے تو وہ کم از کم اپنے گھروں کی حفاظت کے لیے تیار رہوں۔

تم نے مجھے اس دن کیوں نہ بتایا کہ تم جامع مسجد میں تقریر کرنا چاہتے ہو؟

اس وقت یہ بات میرے ذہن میں نہ تھی۔ اگر میری جگہ ہوتے تو شاید ایسے معاملات میں کسی سے مشورہ لینے کی ضرورت محسوس نہ کرتے۔

مجھے ڈر ہے کہ تم خلیفہ کے متعلق کوئی گستاخی نہ کر بیٹھو۔

لیکن میں اس کے برعکس یہ سمجھتا ہوں کہ اس تقریر سے خلیفہ اور آپ کی بہت بڑی خدمت سرانجام دوں گا۔

طاہر نے وزیراعظم کے اصرار پر وہیں کھانا کھایا۔ دستر خوان پر قاسم بھی موجود تھا۔ اس نے بے توجہی سے خوارزم کے متعلق چند سوالات پوچھے اور جب طاہر وزیراعظم سے رُخصت ہوا تو قاسم برآمدے تک چھوڑنے کے لیے آیا۔ طاہر کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے اس نے طنزاً سوال کیا۔ کیا آپ نے اس سے قبل کسی بڑے مجمع میں تقریر کی ہے؟

میں صرف ایک سپاہی ہوں۔ طاہر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

محل سے باہر عبدالعزیز اور عبدالملک نہایت بے چینی سے طاہر کا انتظار کر رہے تھے۔ عبدالعزیز نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ آپ نے سخت غلطی کی۔ ہمیں ڈر تھا کہ وزیراعظم آپ کو خطرناک سمجھ کر حراست میں نہ لے لے!

طاہر نے کہا۔ ڈر تو مجھے بھی تھا لیکن مصلحت اسی میں تھی کہ میں انہیں کل تک اپنے متعلق غلط فہمی کا شکار نہ ہونے دوں ورنہ وہ مسجد کے دروازوں پر پہرہ لگا دیتے۔

(۶)

جمعہ کی نماز کے بعد ایک نوجوان نے منبر پر کھڑے ہو کر حاضرین سے طاہر بن یوسف کو تعارف کرایا۔ طاہر تقدیر کے لے اُٹھا۔ اتنے بڑے ہجوم کے سامنے وہ پہلی بار کھڑا تھا۔ قرآن مجید کی چند آیات کی تلاوت کے بعد اس نے جھجکتے ہوئے تقریر شروع کی۔ بغداد کے لوگ آئے دن مناظروں اور جلسوں میں بڑے بڑے جادو بیان مُقررین کی تقریریں سُن چکے تھے۔ تھوڑی دیر وہ بے توجہی سے بیٹھے رہے اور آپس میں کانا پھوسی کرنے لگے۔ اس جلسے میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو بغداد کی سب سے بڑی مسجد کے منبر پر کسی اجنبی کا کھڑا ہونا اپنی توہین سمجھتے تھے۔ ایسے عوام بھی تھے جو یہ محسوس کر رہے تھے کہ کاش آج بھی کوئی مناظرہ ہوتا۔

ایک مشہور عالم نے نہایت بھولے انداز میں اُٹھ کر کہا۔ آپ براہ کرم بیٹھ جائیے اور شخص کو بولنے کا موقع دیجیے جو ترکستان سے آیا ہے۔

اس پر بعض لوگ ہنس پڑے لیکن طاہر پر اس مذاق کا غیر متوقع اثر ہوا۔ اس نے ایک ثانیہ خاموش رہنے کے بعد پھر تقریر شروع کی:

''میرے دوست! یہ جگہ مذاق کے لیے نہیں۔ تاہم میں تمہاری زندہ دلی کی داد دیتا ہوں۔ کاش! تم میدانِ جنگ میں بھی اسی قدر زندہ دلی کا ثبوت دے سکو۔ میں یہاں اپنی تقریر کی داد لینے کے لیے نہیں آیا۔ میں نہ مقرر ہوں نہ داستان گو۔ میرے پاس آپ کی تفریح کا کوئی سامان نہیں۔ میں صرف ایک ایلچی ہوں، ترکستان کے ان فرزندانِ اسلام کا جن کی کھوپڑیوں سے تاتاری اپنی فتح کی یادگاریں تعمیر کر رہے ہیں۔ میں ان دخترانِ

اسلام کا ایلچی ہوں جن کی عصمت کے رکھوالے خاک اور خون میں تڑپ رہے ہیں اور اب ان کی آخری امید تم وہ ۔ میرے پاس قہقہے نہیں، آنسو ہیں ۔ اپنی جادو بیانی پر ناز کرنے والو! قوم کو لوریاں دے کر سُلانے کا زمانہ ختم ہو چکا ہے ۔ میں تمہیں موت کی نیند سے جگانا چاہتا ہوں ۔ میری باتیں کان کھول کر سُنو!''

طاہر کی آواز اب بلند ہو رہی تھی ۔ رُک رُک کر بولنے والی زبان میں اب پہاڑی ندی کی سی روانی آ چکی تھی ۔ آہستہ آہستہ لوگ اس پہاڑی ندی میں ایک دریا کا تموج محسوس کرنے لگے ۔ وہ دریا جس میں بند یکے بعد دیگرے ٹوٹ رہے ہوں، لوگ ایک رو میں بہتے چلے جا رہے تھے ۔

وہ ماضی کے نقاب اٹھا کر اس بھولی ہوئی منزل کی طرف اشارہ کر رہا تھا جہاں سے صحرا نشینانِ عرب تسخیرِ عالم کا ارادہ باندھ کر نکلے تھے ۔ وہ تاریخ کے ورق اُلٹ کر ان مجاہدین کا داستان سُنا رہا تھا جنہوں نے مشرق و مغرب میں اسلام کا بول بالا کیا تھا ۔ وہ مستقبل کے پردوں میں چھپے ہوئے طوفان کی طرف اشارہ کر رہا تھا اور لوگ دم بخود ہو کر سُن رہے تھے ۔ بعض کی آنکھیں پُرنم تھیں ۔ ایک نوجوان بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کر رہا تھا ۔ طاہر کہہ رہا تھا:

''قوم کے دامن پر بدبختی کی سیاہی آنسوؤں سے نہیں خون سے دھوئی جاتی ہے ۔ یاد رکھو! جس قسم کی زندگی تم بسر کر رہے ہو، وہ فطرت کے ساتھ ایک مذاق ہے اور فطرت اپنے ساتھ مذاق کرنے والوں کو کبھی معاف نہیں کیا کرتی ۔ مسلمانوں کی نشانی یہ تھی کہ وہ کفار کے مقابلے کے لیے ایک سیسہ پلائی

دیوار بن جاتے تھے لیکن آج جب کہ کفر تمہارے خلاف اپنی تمام طاقتیں منظم کر رہا ہے، تمہارے عالم تمہیں بغداد کے چوراہوں پر جمع کر کے ایک دوسرے کا سر پھوڑنے کا مشورہ دیتے ہیں"۔

اس پر ایک شخص جو بغداد کے ایک گروہ کا نامور مناظر سمجھا جاتا تھا، اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور چلایا۔ میں بصد ادب و احترام یہ پوچھنے کی جُرات کرتا ہوں کہ آپ کس فرقے سے تعلق رکھتے ہیں؟

طاہر نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ میں ایک مسلمان ہوں۔

کس قسم کا مُسلمان؟ اس نے پھر سوال کیا۔

طاہر نے جھل کر جواب دیا۔

"تم تین سو سال سے مسلمانوں کی قسمیں گِن رہے ہو لیکن آج تک اصلی اور نقلی، سچے اور جھوٹے کا فیصلہ نہیں ہوسکا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تم دوسروں کو اسلام کی کسوٹی پر نہیں پرکھتے بلکہ تم میں سے ہر ایک نے اپنے لیے علیحدہ علیحدہ کسوٹیاں بنا رکھی ہیں اور ان کسوٹیوں پر تمہاری اپنی ذات کے سوا کوئی پورا نہیں اُترتا۔ میرے عزیز! ہوسکتا ہے کہ میں ایک کم عِلم آدمی ہونے کی صورت میں تمہاری طرح نہ سوچ سکوں۔ خیالات کے پر لگا کر تمہارے ساتھ بلند فضاؤں میں پرواز نہ کرسکوں اور دوسروں کا ایمان پرکھنے کے لیے جو کسوٹی تم نے بنائی ہے، میں شاید اس پر پورا نہ اُتر سکوں اور میری طرح اور بھی لاکھوں مسلمان شاید اس کسوٹی رپ پورے نہ اُتر سکیں۔ لیکن اگر تم خوارزم کے کسی

میدان میں میرے ہم رکاب ہوتے اور وہاں یہ سوال کرتے کہ
میں کس قسم کا مسلمان ہوں تو میں تمہیں یہ جواب دیتا کہ سامنے
چند قدم پر مومن کے ایمان کی کسوٹی موجود ہے۔اگر میں کفار
کے تیروں کی بارش میں مسکرا سکوں، ان کی تلواروں کے سائے
میں کلمہ پڑھ سکوں، اگر موت کا ہاتھ پانی شہ رگ کے قریب دیکھ
کر میرے پاؤں متزلزل نہ ہوں تو سمجھ لینا کہ میں مسلمان ہوں
۔اگر میرا جسم کفار کے گھوڑوں کے پاؤں تلے روندا جا رہا ہو اور
سکرات موت میں بھی میرے منہ سے یہ دُعا نکل رہی ہو کہ یا
اللہ! اپنے محبوب کی اُمت کا جھنڈا بلند رکھیو تو سمجھ لینا کہ میں ایک
مسلمان ہوں ۔میرے بھائی! بُرا نہ ماننا، مومن کے ایمان کی
کسوٹی وہ نہیں جسے تم ہر روز بغداد کے چوراہوں میں رکھ کر بیٹھ
جاتے ہون ۔نہیں ۔مومن کے ایمان کی کسوٹی میدانِ جہاد ہے
جہاں ہر مسلمان کے خون کا رنگ سُرخ ہوتا ہے خواہ وہ سُنی ہو،
خواہ شیعہ ۔خواہ حنفی ہو۔خواہ مالکی ۔خواہ آپ جیسا روشن خیال
عالم ہو، خواہ میرے جیسا کم علم ۔دار الامن میں اگر تم لوگ ایک
ہزار سال اور بھی مناظرے کرتے رہو تو بھی یہ ثابت نہ کر سکو گے
کہ کون جھوٹا ہے اور کون سچا لیکن میں نے تو قند میں اپنی آنکھوں
سے دیکھا ہے کہ ایک فرقے کا مسلمان دوسرے فرقے کے
مسلمان کے لیے ڈھال تھا۔حملے کے وقت ان کا نعرہ ایک تھا۔
شہادت کے وقت ان کا کلمہ ایک تھا۔وہ سب ایک ہی قسم کے

مسلمان تھے۔ہاں میدان سے باہر میں نے کئی قسم کے مسلمان دیکھے ہیں۔ہم نیں وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ طاقت ور دُشمن سے جہاد جائز نہیں۔ہم میں وہ بھی ہیں جو دُشمن کا نام سُن کر بھاگ جاتے ہیں، وہ بھی ہیں جو اپنی ذات کو چنگیز خان کی نظرِ کرم کا مستحق بنانے کے لیے عالمِ اسلام کو تاتاریوں کے پاس فروخت کر رہے ہیں اور تمہارے اس شہر میں بھی جہاں ہر عالم کو دوسرے کا ایمان ناپنے کی فکر ہے، اُونچے ایوانوں میں رہنے والوں کی ایک ایسی جماعت موجود ہے جو ترکستان پر تاتاریوں کی یلغار کی حمایت کرتی ہے۔

میرے عزیز اور بزرگوار! شاید مجھے بغداد میں اتنے بڑے مجمع کے سامنے دوبارہ تقریر کرنے کا موقع نہ ملے، میری باتیں کان کھول کر سُنیے اور میرا پیغام ہر اس شخص تک پہنچا دیجیے جسے قوم کے مستقبل کا تھوڑا بہت خیال ہے۔تاتاریوں کا سیلاب معمولی سیلاب نہیں اور اس وقت دولت خوارزم اس سیلاب کے سامنے آخری چٹان ہے۔اگر یہ چٹان نابود ہوگئی تو یہ نہ سمجھو کہ یہ سیلاب وہیں رُک جائے گا۔اس کی سرکش لہریں کسی دن بغداد کے بلند ایوانوں کو بھی متزلزل کر دیں گی۔اگر ہم نے غفلت کی تو ہم صفحۂ ہستی سے مٹا دیے جائیں گے۔میں یہ نہیں کہتا کہ اسلام مٹا دیا جائے گا۔اسلام مٹنے والی چیز نہیں۔یہ خدا کا دین ہے۔اگر تم اس کی حفاظت نہ کر سکے تو خدا کسی اور قوم کو اس کی حفاظت کے

لیے منتخب کر لے گا۔ یہ ایک ایسا سفینہ ہے جس پر کوئی طوفان غالب نہیں آ سکتا۔ یہ ہمیشہ تیرتا رہے گا۔ اگر تم خدا کے اس سفینے کو چھوڑ کر دوسری کشتیوں پر سوار ہو گئے تو تم خود ڈوب جاؤ گے اور دوسری قوم اس سفینے پر سوار ہو جائے گی۔

تمہاری کامیابی کا راز اجتماعی جدوجہد میں ہے اور اجتماعی جدوجہد کی ضرورت اس وقت سے زیادہ کبھی نہ تھی جب کہ کفر کی تمام طاقتیں تمہیں صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے تیار ہو چکی ہیں۔

میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ بغداد کے اُونچے ایوانوں میں رہنے والے بعض لوگ خوارزم کے خلاف تاتاریوں سے سازباز کر چکے ہیں۔

ایک شخص نے اُٹھ کر کہا۔ ہم انکے نام سُننا چاہتے ہیں!

طاہر نے جواب دیا۔

’’میں صرف سازش کے متعلق جانتا ہوں۔ ابھی تک کسی خاص شخصیت کی طرف اشارہ نہیں کر سکتا لیکن اب ہم پر ایسا وقت آ رہا ہے کہ چھپے ہوئے منافقین کھلے بندوں ہمارے سامنے آ جائیں گے۔ سلطنت کے وہ امراء جو یہاں موجود ہیں، میں ان سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ خلیفۃ المسلمین کے سامنے صحیح صورت حالات پیش کریں۔ اس وقت تاتاریوں کے مقابلے کے لے خوارزم کا ساتھ نہ دینا خودکشی کے مترادف ہو گا۔ حالات کا مطالبہ ہے کہ خلیفۃ المسلمین تاتاریوں کے خلاف اعلانِ جہاد

کریں۔اس کے بعد منافقین کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔وہ خود بخود میدان میں آجائیں گے۔وہ کوشش کریں گے کہ ہمارا گلا گھونٹ کر ہماری آواز دبا دی جائے۔وہ تاتاریوں کے حق میں اور خوارزم کے مسلمانوں کے خلاف فتوے شائع کرائیں گے۔

میرا کام تمہیں ایک راستہ دکھانا تھا۔اب چلنا یا بیٹھ جانا تمہارا کام ہے۔اگر تم منظم ہو جاؤ تو مجھے یقین ہے کہ خلیفۃ المسلمین جو آنے والے خطرات سے بے خبر نہیں فوراً اعلانِ جہاد کریں گے۔سردست میں یہ کہنے کے لیے تیار نہیں کہ بغداد میں سے وہ کون ہیں جو تاتاریوں کے ساتھ سازباز کررہے ہیں۔اس سے قبل میں خلیفہ اور وزیرِ اعظم کی طرف سے کسی اعلان کا انتظار کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور مجھے یہ امید ہے کہ یہ اعلان جہاد کے متعلق ہوگا ورنہ میں وثوق سے یہ کہہ سکوں گا کہ بغداد میں عالمِ اسلام کے سب سے بڑے دُشمن کون ہیں۔

سرِ دست آپ میں سے جو لوگ تاتاریوں کے خلاف خوارزم کے مسلمانوں کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔وہ مجھے اپنا ایک رفیق کار سمجھیں۔اگر وہ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام کی کسوٹی پر انکا رنگ کیسا اُترتا ہے تو خوارزم کے میدان ہم سے دُور نہیں۔"

..............اختتام -------حصہ اول-------

آخری چٹان

حصہ دوئم

نسیم حجازی



انٹرنیٹ ایڈیشن دوم سال 2006 www.Nayaab.Net

فہرست

سازش

چند دن بعد وزیر اعظم کے محل کے ایک کشادہ کمرے میں امرائے سلطنت تازہ صورت حالات پر تبصرہ کرر ہے تھے۔ طاہر بن یوس کی تقریریں موضوع بحث تھیں ۔ایک عہدے دار نے کہا۔ وہ ایک دیوانہ ہے، اس کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں کہ اسے گرفتار کرلیا جائے اور جب خلیفہ کا حکم بھی یہی ہے تو ہمیں سہل انگاری سے کام نہیں لینا چاہیے۔

دوسرے نے کہا۔ اس نے کسی ایک شخص پر الزامات نہیں لگائے لیکن بغداد کے لوگوں کی نظر میں ہم سب مجرم ہیں۔ اس کا تدارک فوراً ہونا چاہیے۔ ہمارے لیے سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بغداد کی ہر فرقے کے افراد اس کے گرد جمع ہورہے ہیں ۔گزشتہ چالیس برس سے میں نے شیعہ اور سُنی کو ایک ساتھ چلتے نہیں دیکھا لیکن اب یہ سُنا ہے کہ ان کے مکان کے ایک دروازے پر شیعہ پہرہ دے رہے ہیں اور دوسرے پر سُنی ہیں ۔گزشتہ سب چوک مامونیہ میں مناظرہ ہونے والا تھا۔ میں خود وہاں موجود تھا۔ اس نے قبل ازوقت وہاں پہنچ کر تقریر شروع کر دی اور شاید گزشتہ دو صدیوں میں یہ پہلا موقع تھا کہ ایک شخص تمام فرقوں کو کوس رہا تھا اور سامعین خاموش تھے اور جب اس نے یہ سوال کیا کہ تم اب بھی بٹنا چاہتے ہو تو اکثر نے نفی میں جواب دیا اور اس کی تقریر کے بعد سے زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ شیعہ اور سُنی ایک دوسرے سے بغل گیر ہورہے تھے۔ اس لیے ہم اسے دیوانہ کہہ کر اپنے آپ کو دھوکہ دیں گے ۔اگر اسے اس وقت گرفتار کیا گیا تو بغداد کے عوام ہمارے متعلق یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ ہم واقعی کسی سازش کے انکشاف سے ڈرتے ہیں اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ وہ پُرامن طریقے سے گرفتار ہونے کے لیے

تیار بھی نہ ہوگا۔ ہمیں جلد بازی کی بجائے تدبر سے کام لینا چاہیے۔

نیا وزیر خارجہ مہلب بن داؤد جو اس سے قبل وحید الدین کا نائب رہ چکا تھا، ایک نوجوان تھا۔ لوگ اس کے علم کے معترف تھے اور اس کے متعلق یہ بات مشہور تھی کہ وہ بہت دُور کی سوچتا ہے۔ وزیر اعظم نے اس کی رائے دریافت کی تو اس نے کہا ۔میرے خیال میں ہمیں پہلی تقریر کے بعد ہی اسے گرفتار کر لینا چاہیے تھا۔ اب اس نے ہماری کوتاہی سے فائدہ اٹھا کر احمقوں کی ایک بڑی جماعت کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ اب اس پر ہاتھ ڈالنا خطرناک ضرور ہے لیکن بغداد کو بغاوت سے بچانے کے لیے ہمیں یہ خطرہ مول لینا پڑے گا۔

ناظمِ شہر نے اُٹھ کر کہا۔ اگر وزیر خارجہ یہ سمجھتے ہیں کہ میری طرف سے کوتاہی ہوئی ہے تو میں یہ بتانا ضروری خیال کرتا ہوں کہ میں نے اسی رات اس کے مکان پر چھاپہ مارا تھا مگر وہاں اس کے نوکروں کے سوا کوئی نہ تھا۔ اگلی رات مجھے جاسوسوں نے پتہ دا ے کہ وہ شہر کی ایک مسجد میں ہے۔ میں نے دو سپاہی وہاں بھیجے لیکن اس کی حفاظت کے لیے وہاں تین ہزار نوجوان موجود تھے۔

وزیر خارجہ نے کہا۔ لیکن ہمارے پاس سپاہیوں کی کمی نہ تھی۔

وزیر اعظم نے جواب دیا۔ ہمارے سپاہیوں اور افسروں میں سے بہت سے لوگ اس کی طرف دار بن چکے ہیں۔ میرے مکان پر بھی گزشتہ دنوں جتنے فیصلے ہوئے ہیں۔ اسے کسی نہ طرح ان کی اطلاع ملتی رہی ہے۔ ایک شام ہمیں پتہ چلا کہ وہ عشا کی نماز کے بعد جامع مسجد میں تقریر کرے گا۔ میں نے پانچ سو سپاہی شہر لباس میں وہاں بھجوا دیے۔ انہیں یہ ہدایت کی تھی کہ تقریر کے بعد اس کے گرد گھیرا ڈال لیں اور جس وقت وہ مسجد سے باہر نکلے، اسے گرفتار کر لیں لیکن اُسے بروقت پتہ چل

گیا اور مسجد میں نہ آیا۔ اب خلیفہ کا حکم یہ ہے کہ اسے بہر صورت گرفتار کیا جائے اور ہمارے لیے اس حکم کی تعمیل کے سوا چارہ نہیں۔ پچاس مُفتیوں نے آج یہ فتوی دے دیا ہے کہ وہ باغی ہے۔ کل یہ فتوی مشتہر کر دیا جائے گا اور اس کے بعد ہم عوام کا ردِ عمل دیکھ کر مناسب قدم اُٹھائیں گے۔

باقی امراء چلے گئے لیکن مہلب بن داؤد کچھ دیر وزیر اعظم کے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ مہلب نے پوچھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ بغداد میں اس کے پُرانے دوست کون کون ہیں؟

وزیر اعظم نے جواب دیا۔ قاسم کو سب پتہ ہے۔

مہلب کی درخواست پر وزیر اعظم نے ایک خادم کو حکم دیا اور قاسم کو بلا لیا۔ قاسم کی آمد پر وزیر اعظم اُٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا اور قاسم اور مہلب دیر تک باتیں کرتے رہے۔

قاسم کہہ رہا تھا۔ میرے خیال میں اس کے دوستوں میں سے صرف افضل ایسا ہے جس سے ہم کام لے سکتے ہیں۔ اسے طاہر کے ساتھ دلچسپی ضرور ہے لیکن اس نے عبدالعزیز، مبارک اور عبدالملک کی طرح ملازمت سے استعفی نہیں دیا۔

مہلب نے پوچھا۔ اگر آپ اسے کل شام یہاں کھانے کی دعوت دیں تو وہ آجائے گا؟

وہ پچھلے دنوں چند بار مجھ سے مل چکا ہے اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے تعلقات اس قدر بُرے نہیں۔ ایک دن اس نے اپنے گزشتہ گستاخیوں کے لیے معذرت بھی کی تھی اور جب تک وہ حکومت کا ملازم ہے ہم اسے کئی سبز باغ دکھا سکتے ہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اسے یہاں لانے کا کام نئے سپہ سالار کے سپرد کر

دیا جائے۔

مہلب نے اُٹھ کر مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔تو بہت اچھا! کل آپ کے ہاں میری، سپہ سالار اور افضل کی دعوت ہے۔

صفیہ آج بھی حسب معمول برآمدے کی چھت پر کھڑی اس کمرے کے روزن سے کان لگا کر بہت کچھ سُن چکی تھی۔ جب قاسم اور مہلب باہر نکل گئے تو وہ نیچے اُتر کر اپنے کمرے میں پہنچی۔اس نے برابر کے کمرے میں جھانک کر دیکھا، سکینہ سو رہی تھی صفیہ سونے سے پہلے روز کے ہر تازہ واقعات کے متعلق ایک مختصر سا مضمون لکھ کر علی الصباح محل کے دروازے کے ایک پہرے دار کو پہنچایا کرتی تھی۔وہ حسبِ معمول کاغذ اور قلم لے کر بیٹھ گئی۔لیکن چند سطور لکھنے کے بعد اس کے دل میں ایک نیا خیال پیدا ہوا اور یہ خیال اس کے دل کے خاموش تاروں کے لیے ایک مضراب بن گیا۔پھر ہلکے اور میٹھے سُر بلند ہوتے گئے اور اسے محسوس ہونے لگا کہ دل کش نغمہ ایک مہیب ترانہ بن کر ساری کائنات کو اپنی آغوش میں لے رہا ہے، یہ ایک آندھی جو اُسے اُڑائے لے جا رہی تھی۔ایک سیلاب تھا جو اسے بہائے لے جا رہا تھا۔ بادلوں کی گرج اور تند ہواؤں کی چیخیں خوف ناک تھیں لیکن اسے اس آندھی کے ساتھ اُڑنے کا خوف نہ تھا۔سیلاب کی لہریں حوصلہ شکن تھیں۔لیکن وہ بہنا چاہتی تھی۔اس کی زنجیریں ٹوٹنے لگیں۔قید خانے کے دروازے کھلنے لگے۔بغداد کے اونچے ایوان اس کی نگاہوں سے روپوش ہو رہے تھے۔وہ طاہر کے ساتھ صحرائے عرب کے ایک نخلستان میں کھڑی تھی۔جذبات کے ہیجان میں کانپتے ہوئے قلم اس کے ہاتھ سے گر پڑا اور اس نے محسوس کیا کہ سازِ ہستی کے تار اچانک ٹوٹ گئے ہیں، کشادہ کمرہ اسے قفس نظر آنے لگا۔اس نے گرا ہوا قلم اُٹھایا لیکن لکھنے کی بجائے کاغذ پر

اُلٹی سیدھی لکیریں کھینچنے لگی اور پھر کچھ سوچ کر خالی جگہوں پر طاہر بن یوسف کا نام لکھنے لگی۔ پھر اس نے کاغذ پھاڑ کر پھینک دیا اور اُٹھ کر بستر پر لیٹ گئی۔ وہ بار بار یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دے رہی تھی۔

(۲)

اگلی رات قاسم کے دستر خوان پر نیا سپہ سالار، مہلب اور افضل موجود تھے۔ کھانے کے بعد ہو دریا کے کنارے قاسم کے ملاقات کے کمرے میں پہنچے۔

کھانے کے کمرے کے روزن سے کان لگا کر صفیہ طاہر کے متعلق کوئی خاص بات نہ سن سکی۔ جب وہ دوسرے کمرے میں جانے کے لیے اُٹھے تو وہ ان سے پہلے ہی تنگ سیڑھی کے راستے باہر کی گیلری میں جہاں اس کمرے کے دریچے کھلتے تھے، جا پہنچی۔ وہ آ کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ بالآخر مہلب نے سپہ سالار سے کہا۔ وزیر اعظم کا خیل ہے کہ افضل کو فوج میں کوئی بڑا عہدہ دیا جائے۔ کل قاسم نے میرے سامنے ان کی تعریف کی تھی۔ فوج میں قابل اور وفادار نوجوان کی بہت ضرورت ہے، وزیر اعظم کو عبدالعزیز اور عبدالملک سے بہت امید تھی لیکن میں نے سنا ہے کہ وہ مستعفی ہو کر طاہر بن یوسف کی حمایت کرر ہے ہیں

سپہ سالار نے کہا۔ وزیر اعظم چاہیں تو ان کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے تیار ہوں۔

مہلب نے کہا۔ اس کے علاوہ ہمیں مصر کے لیے نئے سفیر کی ضرورت ہے۔ اگر عبدالملک کی وفاداری مشکوک نہ ہوتی تو میرے نزدیک وہ اس عہدے کے لیے نہایت موزوں تھا لیکن مجھے افسوس ہے کہ طاہر بن یوسف نے اچھے بھلے نوجوانوں کو گم راہ کر دیا ہے۔ کیوں قاسم تمہارا خیال ہے۔ اگر میں خلیفہ سے سفارش کروں تو

افضل اس ذمہ داری کو سنبھال سکے گا؟

قاسم نے جواب دیا۔ مجھے ان کی صلاحیتوں کا اعتراف ہے لیکن ڈر ہے کہ شاید عبدالملک اور عبدالعزیز کے دوست ہونے کی وجہ سے یہ بغداد چھوڑنا پسند نہ کریں۔

افضل کی حالت اس بچے کی سی تھی جس کے سامنے اچانک کھلونوں کا ڈھیر لگا دیا گیا ہو۔ وہ وزیراعظم کے محل میں سپہ سالار اور وزیر خارجہ کے ساتھ کھانا کھا چکا تھا۔ بغداد میں اس کے لیے سپہ سالار کا دست راست اور مصر میں اس کے لیے سفیر بننے کے دروازے کھل چکے تھے۔ اسے اپنی زندگی میں پہلی بار اپنی اہمیت کا احساس ہوا۔ اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ اگر میں بغداد کی کوئی خدمت کر سکوں تو کسی کو دوستی میرے راستے میں حائل نہیں ہو سکتی۔

مہلب نے فوراً جواب دیا۔ آپ بغداد کے لیے بہت کچھ کر سکتے ہیں اور اپنے دوستوں کے لیے بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اگر آپ عبدالملک اور عبدالعزیز کو افسوس ناک تباہی سے بچانا چاہتے ہیں تو آپ کے سامنے صرف ایک ہی راستہ ہے۔

وہ کیا؟

انہیں سمجھائیں!

افضل نے جواب دیا۔ میری زبان طاہر کا جادو نہیں توڑ سکتی۔

طاہر کے متعلق ہمیں اب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ خوارزم کے ایما پر بغداد میں بغاوت کروانا چاہتا ہے۔ جس دن اس کا مقصد پورا ہو گا۔ وہ خوارزم چلا جائے گا لیکن اس کی کارگزاری کی سزا اس کے دوستوں کو بھگتنا پڑے گا۔

افضل جانتا تھا کہ یہ طاہر کے خلاف ایک بہتان ہے لیکن جب انسان کے دل میں بری خواہش پیدا ہوتی ہے تو وہ ضمیر کو تسلی دینے کے لیے غلط باتوں پر بھی یقین کر لیتا ہے ۔وہ بولا۔اگر یہ بات ہے تو آپ کیا سوچ رہے ہیں؟

مہلب نے کہا۔ہم اسے گرفتار کرنا ضروری سمجھتے ہیں لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ فوج کے ساتھ ان لوگوں کا تصادم ہو جنہیں اس نے جھوٹی سچی باتوں سے اپنے ساتھ ملا لیا ہے ۔ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ ایک مجرم کو گرفتار کرنے کے لیے کئی بے گناہوں کو خون بہایا جائے ۔ہم طاہر کے ساتھ بھی کوئی سختی نہیں کرنا چاہتے ۔ہم چاہتے ہیں کہ اسے سمجھا بجھا کر یہاں سے نکال دیا جائے ۔اس کے چلے جانے کے بعد یہ فتنہ خود بخود ٹھنڈا پڑ جائے گا۔

افضل کی دل گواہی دے رہا تھا کہ یہ جھوٹ ہے، یہ لوگ اس کے خون کے پیاسے ہیں لیکن اس کے ضمیر کے لیے یہ ایک اور تسلی تھی ۔اس نے کہا۔اگر آپ مجھے یقین دلائیں کہ اس پر سختی نہیں کی جائے گی تو میں آپ کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے تیار ہوں۔

مہلب نے کہا۔اس پر سختی کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا ۔مجھے تو یہ بھی یقین ہے کہ اس کی نیت بُری نہیں ۔خلیفہ یا حکومت کے کسی عہدے دار کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اگر وہ بغداد کے لوگوں کو بھڑکانے کی بجائے سیدھا ہمارے پاس آتا تو ہم اس کی غلط فہمی دُور کر سکتے تھے لیکن اب جب تک وہ گرفتار نہیں ہوتا، ان کے ساتھ ہم بات تک نہیں کر سکتے ۔میرے لیے یہ بڑے دُکھ کی بات ہے کہ اتنا بہادر اور بیدار مغز نوجوان قوم کے کام آنے کی بجائے قوم میں انتشار ڈال رہا ہے اور وہ بھی ایک غلط فہی کی وجہ سے ۔میں نے اس کے ساتھ ملاقات کی کوشش کی لیکن اس

کی خفیہ محفلوں تک رسائی نہیں ہو سکی۔ اگر آپ میری مدد کریں تو ایک بہت بڑا کام ہو گا۔

سپہ سالار نے کہا۔ افضل اگر اس بارے میں کچھ کر سکتا تو یقیناً آپ کا ساتھ دے گا۔

قاسم نے کہا۔ آپ اطمینان رکھیے۔ جو شخص مسلمانوں کی بہتری کے لیے اپنی جان تک قربان کرنے کی ہمت رکھتا ہے۔ وہ کسی کی دوستی کی پروا نہیں کرے گا؟

افضل کے ضمیر پر اب ملامت کا بوجھ ہلکا ہو چکا تھا۔ اس نے کہا بات یہ ہے کہ میں چونکہ ابھی تک فوج سے مستعفی نہیں ہوا۔ وہ مجھ پر زیادہ اعتماد نہیں کرتے۔ طاہر کے چند ٹھکانے مجھے معلوم ہیں لیکن یہ معلوم نہیں کہ آج وہ کہاں ہو گا؟ اسے صرف رات کو سوتے وقت پکڑا جا سکتا ہے۔ دن کے وقت اس کے گرد بہت آدمی ہوتے ہیں۔ میں ایک دو دن تک آپ کو پتہ دے سکوں گا کہ وہ ان دنوں کہاں سوتا ہے۔

مہلب نے کہا۔ اگر آپ اس مہم میں کامیاب ہوئے تو مجھے یقین ہے کہ خلیفہ اور وزیر اعظم ذاتی طور پر آپ کا شکریہ ادا کریں گے اور ممکن ہے کہ آپ کو نہایت اہم عہدے کا مستحق سمجھا جائے۔

افضل نے کہا۔ لیکن آپ یہ وعدہ یاد رکھیے کہ طاہر کے ساتھ بُرا برتاؤ نہیں کیا جائے گا۔

مہلب نے جواب دیا۔ میں اس وعدے پر قائم ہوں۔

مہلب نے اُٹھتے ہوئے قاسم سے کہا۔ ابھی وزیر اعظم سے ان باتوں کا ذکر نہ کیجیے۔

قاسم نے جواب دیا۔ نہیں۔ میں خود چاہتا ہوں کہ جب تک ہم اس مقصد

میں کامیاب نہیں ہوتے، ہماری دوڑ دھوپ کا کسی کو علم نہ ہو۔

(۳)

قاسم اپنے مہمانوں کو رُخصت کرنے کے لیے باہر کے دروازے تک ان کے ساتھ آیا۔ دروازے پر پہنچ کر مہلب نے کہا۔ کل وزیراعظم نے شکایت کی تھی کہ ان کے جاسوسوں سے آپ کا محل محفوظ نہیں۔ کسی نے آج بھی ہماری باتیں سن لی ہوں تو؟

قاسم نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ اس کمرے کی چھت میں صرف کبوتروں کا ایک جوڑا رہتا ہے اور ان کے کان ہیں، زبان نہیں۔

لیکن واپس آتے وقت قاسم کسی قدر پریشان ہو کر اس سوال کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اسے خدشہ محسوس ہونیلگا کہ اگر طاہر کو اس سازش کا پتہ چل گیا تو اس کی آئندہ تقریر بہت سخت ہوگی۔

راستے میں پھولوں کی کیاری سے اس نے چند پھول توڑے اور اپنے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر وہ تھوڑی دیر کے لیے کھڑا سوچتا رہا اور پھر مسکراتا ہوا صفیہ کے کمرے کی طرف چل دیا۔ خدا جانے اسے مجھ سے اس قدر چڑ کیوں ہے۔ وہ بار بار اپنے دل میں کہہ رہا تھا۔

اگر وہ سو رہی ہوتی تو قاسم دبے پاؤں اس کے بستر پر پھول رکھ کر چلا آتا۔ لیکن اس کمرے کے نیم وا دروازے میں سے روشنی آ رہی تھی۔ وہ دروازے کے قریب پہنچ کر رُکا اور کچھ سوچ کر واپس چل دیا لیکن دو تین قدم چلنے کے بعد اُسے کمرے کے اندر کسی کے آہستہ آہستہ بولنے کی آواز آئی۔ سکینہ اور رصیہ ایک دوسری کو سوتے وقت کہانیاں سُنایا کرتی تھیں۔ لیکن یہ آواز قدرے موٹی تھی۔ پھر اُسے صفیہ

آہستہ آہستہ بولتی سُنائی دی اور وہ جلدی سے مُڑ کر دروازے کے قریب جا کھڑا ہوا۔ دیکھو! یہ باتوں کا وقت نہیں۔تم جلدی جاؤ۔ میں بار بار تمہیں تکلیف نہیں دوں گی۔ یہ لو میری انگوٹھی۔میں تمہیں اور بھی بہت کچھ دوں گی!

قاسم جلدی سے پیچھے ہٹ کر ایک ستون کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔دروازہ کھلا اور ایک لونڈی تیزی سے قدم اٹھاتی ہوئی قاسم کے قریب سے گزر گئی۔

قاسم دبے پاؤں وہاں سے نکلا اور ایک اور راستے سے لونڈی سے پہلے محل کی سیڑھیوں پر جا پہنچا،لونڈی نے نیچے اترتے ہوئے اسے دیکھا اور ٹھٹھک کر رہ گئی۔

تم اس وقت کہاں جا رہی ہو؟ قاسم نے سوال کیا۔

جی میں۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔! لونڈی خوف زدہ ہو کر کانپنے لگی۔

قاسم نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔میں بھوت نہیں ہوں۔تم ڈرتی کیوں ہو؟ اِدھر آؤ!

قاسم نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے کمرے میں لے گیا۔

بتا کہاں جا رہی تھی تو؟

لونڈی نے چند اُلٹے سیدھے بہانے کیے لیکن قاسم نے ایک چمکتا ہوا خنجر نکال کر دکھایا تو وہ چلائی۔ میں سب کچھ بتا دیتی ہون۔ مجھے صفیہ نے یہ خط دے کر بھیجا ہے۔

کہاں؟

دروازے کے ایک پہرے دار کے پاس؟

بکتی ہو تم۔قاسم نے خنجر کی نوک اس کے سینے پر رکھ دی۔

نہیں نہیں۔ میں سچ کہتی ہوں۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ پہرے دار یہ خط کہاں

لے جائے گا۔

وہ خط کہاں ہے؟

لونڈی نے اپنی آستین سے ایک ریشمی رومال نکالا اور اس کے اندر لپٹا ہوا کاغذ نکال کر قاسم کے ہاتھ میں دے دیا۔قاسم نے یہ رُقعہ پڑھا۔مختصر تحریر یہ تھی۔

''آپ کے متعلق ایک خطرناک فیصلہ ہو چکا ہے۔افضل آپ کو پکڑوانے کا عہد کر چکا ہے۔بہت سے باتیں ایسی ہیں جو میں زبانی کہنا ضروری سمجھتی ہوں۔قاصد آپ کو وہ جگہ بتا دے گا جہاں آپ مجھے کسی خطرے کا سامنا کیے بغیر مل سکتے۔خُدا کے لیے ضرور آئیں!''

غصے سے قاسم کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔لونڈی اس کی سفاک آنکھوں کی تاب نہ لا کر رونے لگی۔

خاموش! قاسم نے گرج کر کہا۔

میں بے قصور ہوں۔مجھ پر رحم کیجیے۔میں ایک لونڈی ہوں۔میں صفیہ کے حکم کی تعمیل سے انکار کیسے کر سکتی تھی۔مجھے معاف کیجیے۔

تمہارے بچاؤ کی یہی صورت ہے کہ تم مجھ سے کوئی بات نہ چھپاؤ۔

میں سب کچھ بتانے کے لیے تیار ہوں۔

صفیہ نے ملاقات کے لیے کون سی جگہ بتائی ہے اور وہ پہرے دار کون ہے جس کے پاس تم یہ خط لے جا رہی ہو۔

وہ سعید ہے اور صفیہ نے مجھے کہا ہے سعید اسے جنوبی دروازے پر لے آئے۔

اس سے پہلے بھی کبھی ان کی ملاقات ہوئی ہے؟

نہیں۔

پیام رسانی؟

ہاں!

تمہیں معلوم نہیں کہ جس کے پاس یہ پیغام جاتے ہیں، کون ہے؟

جی نہیں۔ اس کا صرف سعید اور جنوبی دروزہ کے پہرے دار کو علم ہے۔ صفیہ نے مجھے صرف یہ بتایا ہے کہ وہ ایک بے گناہ کی جان بچانا چاہتی ہے۔

بہت اچھا۔ تم ابھی یہ رُقعہ سعید کو جا کر دے دو لیکن اگر تم نے اسے بتا دیا کہ میں نے یہ رُقعہ دیکھ لیا ہے تو تمہیں ہاتھ پاؤں باندھ کر دجلہ میں پھینک دیا جائے گا اور واپس آ کر صفیہ سے بھی اس بات کا ذکر نہ کرنا لیکن اگر اس نے یہ پوچھا کہ تم نے دیر کیوں لگائی تو تم کیا جواب دو گی؟

لونڈی نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ میں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی۔ میں کہوں گی کہ میں نماز کے لیے رُک گئی تھی۔

تم بہت ہوشیار ہو۔ یہ لو۔ تمہیں اور بھی بہت کچھ ملے گا۔ قاسم نے چند سنہری سکے اس کے ہاتھ پر رکھ دیے۔

(۴)

سعید نے بغداد کی گنجان آبادی کا ایک تنگ گلی میں سے گزرنے کے بعد ایک پُرانے مکان کے دروازے پر دستک دی۔ ایک شخص باہر نکلا اور سعید کو پہچان کر ایک اور تنگ گلی میں لے گیا۔

کوئی ضروری پیغام ہے؟ اس نے راستے میں سوال کیا۔

نہایت ضروری۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ایک سہ منزلہ مکان کے دروازے پر رُکے اور سعید کے ساتھی نے پانچ دفعہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد دروازہ کھٹ کھٹایا۔ کسی نے اندر سے دروازے کی چھوٹی سی کھڑکی کھول کر باہر جھانکا اور سعید کے ساتھی کو پہچان کر دروازہ کھول دیا۔

سعید کے ساتھی نے کہا۔ انہیں اندر لے جاؤ!

سعید اندر داخل ہوا تو پہرے دار نے پھر دروازہ بند کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد طاہر، عبدالعزیز اور عبدالملک صفیہ کا رُقعہ پڑھ کر سعید سے طرح طرح سے سوالات پوچھ رہے تھے۔ سعید نے اس بات کی تصدیق کی کہ افضل محل میں گیا تھا اور یہ بھی بتایا کہ اس نے مہلب اور سپہ سالار کو بھی وہاں آگے جاتے دیکھا ہے لیکن وہ یہ نہ بتا سکا کہ صفیہ نے طاہر کو اس وقت کیوں بلایا ہے۔ تینوں دوست کچھ دیر اس موضوع پر بحث کرتے رہے۔ عبدالعزیز کی رائے تھی کہ سپہ سالار وزیر خارجہ اور وزیر اعظم نے افضل سے ہمارے ٹھکانے معلوم کر کے یقیناً کوئی خطرناک فیصلہ کیا ہوگا اور صفیہ ایک عورت کی طرح آپ کے مقصد سے آپ کی جان کو زیادہ قیمتی خیال کرتی ہے۔ وہ غالباً آپ سے یہی کہے گی کہ آپ چاروں طرف سے خطرے میں گھرے ہوئے ہیں، اس لیے اپنی جان کی فکر کیجیے۔

عبدالملک نے کہا۔ اپنی معلومات کی روشنی میں صفیہ کو عام لڑکیوں میں شمار کرنے پر احتجاج کرتا ہوں، اگر اسے نسوانی جذبات کا اظہار مقصود ہوتا تو وہ اس خط میں چند سطور کا اضافہ کر سکتی تھی۔

عبدالعزیز نے کہا۔ لیکن اس خط کا اختصار تو صرف یہ ظاہر کا تا ہے کہ اسے لکھنے کا موقع نہیں ملا۔

عبدالملک نے کہا۔یعنی اسے کوئی مجبوری درپیش ہو گی۔اس مجبوری کی وجہ سے اس نے طاہر کو بُلایا ہے۔اب اگر طاہر نہ گیا تو وہ کیا خیال کرے گی!

طاہر نے اُٹھ کر تلوار سنبھالتے ہوئے کہا۔اس نے مجھے خدا کے نام کا واسطہ دیا ہے۔میں ضرور جاؤں گا۔اس نے ایک دفعہ میری جان بچائی ہے اگر میرے سر پر اس کا یہ احسان نہ بھی ہوتا تو بھی میں اپنی قوم کی بیٹی کی آواز پر لبیک ضرور کہتا۔

عبدالعزیز نے کہا۔تو میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔

نہیں۔طاہر نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ہمیں اس پر اعتماد کرنا چاہیے۔اگر کوئی خطرہ ہوتا تو وہ مجھے وہاں تنہا پہنچنے کی دعوت نہ دیتی۔

(۵)

وزیر اعظم کے محل کے جنوبی پھاٹک سے اندر داخل ہونے کے بعد طاہر کو چاند کی روشنی میں صفیہ دکھائی دی۔وہ کھلی فضا سے نکل کر ایک گھنے درخت کے سائے میں کھڑی ہوگئی۔طاہر نے اس کے قریب پہنچ کر کہا:۔

کہیے!

مجھے افسوس ہے کہ آپ کا ایک دوست غدار ہو گیا ہے۔

طاہر نے کہا۔یہ اب تک آپ اپنے مکتوب میں ظاہر کر چکی ہیں۔وہ ضروری باتیں پوچھنا چاہتا ہوں جن کا آپ نے خط میں ذکر کیا ہے۔

خشک پتوں کے اس انبار کی طرح جنہیں تیز بگولا اُڑا کر لے جاتا ہے۔صفیہ نے الفاظ کے جو ذخیرے جمع کیے تھے،وہ منتشر ہو گئے۔وہ خود اپنے دل سے پوچھ رہی تھی کہ میں نے اسے کیوں بُلایا ہے؟

اس نے اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔میری ایک

درخواست ہے۔

میرے لیے آپ کی ہر درخواست حکم کا درجہ رکھتی ہے۔

حکومت آپ کو گرفتار کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ اگر چند دن وہ آپ کو پُر امن طریقے سے گرفتار نہ کر سکے تو مجھے یقین ہے کہ وہ قوت کے استعمال سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

طاہر نے اطمینان سے کہا۔ مجھے معلوم ہے۔

تو خدا کے لیے یہاں سے چلے جائیے۔ آپ کو ہر وقت خطرہ ہے۔

میں خطرات سے نہیں ڈرتا لیکن آپ کو ہر وقت خطرہ ہے۔

میں خطرات سے نہیں ڈرتا لیکن آپ کو مشورے سے پہلے ہی میں یہاں سے جانے کا ارادہ کر چکا تھا۔

کب جائیں گے؟

بہت جلد۔

تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیے!

طاہر چونک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا لیکن صفیہ نے آگے بڑھ کر اس کا دامن پکڑ لیا۔ اس نے کہا۔ یہ محل میرے لیے ایک قید خانہ ہے۔ دنیا میں میرا کوئی نہیں۔ میں اس زندگی سے تنگ آ چکی ہوں۔ میں مدینے جا کر کسی جھونپڑی میں رہنا پسند کروں گی۔ مجھے بغداد سے نفرت ہے۔ مجھے ان ایوانوں سے نفرت ہے جہاں انسان کے بھیس میں سانپ رہتے ہیں۔

آپ کو شاید معلوم نہیں کہ میری منزل مدینہ نہیں خوارزم ہے۔

میں وہاں جانے کے لیے بھی تیار ہوں۔

لیکن وہاں کے حالات آپ کو معلوم نہیں۔وہاں پہلے ہی قوم کی ہزاروں ایسی بیٹیاں موجود ہیں جن کا نگہبان کوئی نہیں۔ میں ان میں ایک اور اضافہ نہیں کرنا چاہتا
۔

تو میں آپ کے واپس آنے تک انتظار کروں گی ۔آپ وعدہ کریں کہ آپ مجھے بھول نہیں جائیں گے۔

طاہر کو ثریا کا خیال آیا اور اس نے مغموم آواز میں کہا۔مجھ سے غلطی ہوئی۔میرا خیال تھا کہ آپ کو میرے مقاصد سے ہمدردی ہے۔

صفیہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر کھڑی ہوگئی۔اس نے درد بھری آواز میں کہا۔آپ جائیے۔ میں سمجھتی تھی کہ آپ اپنے دل میں انسانیت کا درد رکھتے ہیں لیکن آپ خود پسند ہیں۔آپ کو صرف اپنی ذات سے محبت ہے۔

طاہر نے کہا۔کاش! آپ کو معلوم ہوتا کہ میں کانٹوں پر چلنے کے لیے پیدا ہوا ہوں۔میں آپ کو اپنے ساتھ نہیں گھسیٹ سکتا۔آپ نے میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے ۔شاید میں اس کا بدلہ نہ دے سکوں۔میری گردن ہمیشہ جھکی رہے گی۔ میں خود پسند نہیں ہوں لیکن ایک سپاہی کی زندگی میں ایسے مرحلے آتے ہیں جب اسے اپنی زندگی کی عزیز ترین خواہشات قربان کرنا پڑتی ہیں۔وہ کسی کے پسینے کے بدلے خون تک گرانے کے لیے تیار ہوتا ہے۔لیکن اسے فرض مجبور کرتا ہے تو وہ اس کے آنسوؤں کی بھی پروا نہیں کرتا اور میدانِ جنگ میں چلا جاتا ہے۔آپ ایک عالیشان محل میں رہ کر بھی اپنا دم گھٹتا محسوس کرتی ہیں لیکن ترکستان میں آپ کی ہزاروں بہنیں ایسی ہیں جنہیں اس کھلے آسمان کے نیچے سر چھپانے کو جگہ نہیں ملتی۔اس وقت میری توجہ کی زیادہ حق دار وہ ہیں۔اسلام کی بدنصیب بیٹیاں، اپنی عراق، عرب اور مصر کے

پُرامن شہروں میں رہنے والی بہنوں کو پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہیں کہ اگر تمہارے بھائی، شوہر اور عزیز ہماری مدد کو پہنچ سکتے ہیں تو خدا کے لیے ان کا راستہ نہ روکو!

صفیہ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ مجھے معاف کیجیے۔ جایئے خُدا آپ کی مدد کرے۔ میں نے آپ کو غلط سمجھا۔ میں ایک عورت ہوں۔ جایئے۔۔۔!

وہ دروازے تک اس کے ساتھ آئی۔ سعید کے اشارے سے پہرے دار نے دروازہ کھول دیا۔ طاہر نے ایک بار مُڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ اسکے چہرے پر بشاشت اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ آنسوؤں میں ڈھلی ہوئی حسین اور مقدس مسکراہٹ جو بیک وقت روح پرور بھی تھی اور حوصلہ شکن بھی!

آپ مجھ سے خفا تو نہیں؟ طاہر نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

نہیں۔ اس نے میٹھی آواز میں کہا۔ آپ مجھے بھول تو نہیں جائیں گے؟

کبھی نہیں طاہر نے جواب دیا۔

طاہر تیزی سے قدم اُٹھاتا ہوا باہر نکلا اور صفیہ دروازے میں کھڑی ہو کر اُسے دیکھنے لگی۔ وہ سیڑھیوں سے نیچے اتر رہا تھا کہ اچانک دائیں اور بائیں ہاتھ سے سپاہیوں کی دو ٹولیاں نمودار ہوئیں۔ طاہر تلوار نکالنے سے پیشتر پندرہ بیس آدمیوں کی گرفت میں آچکا تھا۔

صفیہ نے جلدی سے کہا۔ سعید تم بھاگ جاؤ!

سعید اور دو پہرے دار پوری رفتار سے محل کے ایک کونے کی طرف بھاگے۔ صفیہ نے دروازے سے نکلی لیکن قاسم نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا اور کہا۔ صفیہ! تم نے آج بہت بڑا کام کیا۔ چلو اب آرام کرو۔ اور وہ اس کی آہنی گرفت میں بے بس ہو کر ساتھ چل دی۔ چند قدم چلنے کے بعد قاسم نے رُک کر سپاہیوں کو آواز

دی۔سعید شاید بھاگ گیا ہے۔اسے بھی گرفتار کرلو۔

محل کے اندر پہنچ کر قاسم نے صفیہ کو اس کے کمرے کے اندر دھکیل دیا اور باہر سے کُنڈی لگا دی۔

واپس آکر مہلب کے اِصرار پر قاسم نے طاہر کو اس کے سپُرد کر دیا۔سعید دوسرا پہرے دار محل کا کونہ کونہ چھان مارنے کے باوجود بھی نہ ملے۔بالآخر ایک سپاہی نے خبر دی کہ محل کی ایک کشتی غائب ہے۔اس وقت تک وہ دوسرے کنارے پہنچ چکے ہوں گے۔

آدھی رات کے بعد جب مہلب، طاہر کو قید خانے کے داروغہ کے سپُرد کر کے ہدایات دے رہا تھا۔سعید اور اس کا ساتھی عبدالملک اور عبدالعزیز کو اپنی سرگزشت سُنا رہے تھے۔

(٦)

طاہر بن یوسف دریائے دجلہ کے کنارے بڑے قید خانے کی ایک زمین دوز کوٹھڑی میں بند تھا۔صبح ہو چکی تھی لیکن قید خانے میں ابھی تک تاریکی تھی۔دو پہرے دار آئے اور اسے سوتا دیکھ کر کھانا رکھ کر چلے گئے۔ایک دو مرتبہ طاہر کی آنکھ کھلی لیکن کمرے میں تاریکی پا کر وہ پھر کروٹ بدل کر سو گیا۔بالآخر اس نے محسوس کیا کہ اسے کوئی جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگا رہا ہے۔

کون؟ اس نے انگڑائی لیتے ہوئے سوال کیا۔

آہستہ بولو!

طاہر نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں اور تاریکی میں غور سے دیکھنے کے بعد اپنے قریب ایک اور آدمی کو پا کر اُٹھ بیٹھا۔

اجنبی نے کہا۔ جب سے یہ قید خانہ بنا ہے، شاید اتنی دیر سونے والا یہاں کوئی نہیں آیا۔ اب تو دوپہر ہونے والی ہے۔

طاہر نے جواب دیا۔ میں کئی راتوں سے اطمینان کی نیند نہیں سویا۔

تو اطمینان رکھو، یا تم باقی عمر مزے کی نیند سو سکو گے۔

تم کون ہو؟

میں کبھی کوئی تھا لیکن اب تو میں ایک قیدی ہوں۔

رات جب مجھے یہاں لایا گیا تھا تو میرے خیال میں یہاں اور کوئی نہیں تھا۔

شاید تمہیں ابھی ابھی یہاں پہنچایا گیا ہے۔

نہیں۔ میں کئی مہینے سے شاہی مہمان ہوں۔ میری اور آپ کی کوٹھڑی کے درمیان ایک دیوار کا پردہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے یہ زمین دوز کمرے بہت کشادہ تھے لیکن بعد میں قیدیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر ان کے درمیان دیواریں کھڑی کر کے انہیں دو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

تو آپ کس راستے سے یہاں پہنچے؟

اجنبی نے جواب دیا۔ آؤ میں تمہیں دکھاتا ہوں۔ شروع شروع میں یہاں دیکھنا مشکل ہوتا ہے۔ میرا بازو پکڑ لو گھبراؤ نہیں۔ چند دن کے بعد تمہیں بھی میری طرح تاریکی میں دیکھنے کی عادت ہو جائے گی۔

طاہر نے اجنبی کے ساتھ ایک تنگ محراب سے گزرتے ہوئے کہا۔ یہ راستہ تو بہت کشادہ ہے۔

اجنبی نے جواب دیا۔ نہیں ابھی تک آپ نے اپنی کوٹھڑی کا جائزہ نہیں لیا۔ یہ دروازہ اسے دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ میری کھوٹھڑی بھی اس طرح کی ہے!

چند قدم اور چلنے کے بعد اجنبی نے جھک کر زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ دیکھو، یہ سُوراخ میری کمرے میں جاتا ہے۔ یہاں سے گزرنے کے لیے مشق کی ضرورت ہے۔تم شاید نہ گزر سکو۔تم ذرا موٹے ہو لیکن تم بھی بہت جلد میرے جیسے ہو جاؤ گے۔ جب میں یہاں آیا تھا میں بھی کافی موٹا تھا۔قریباً ایک ماہ کے بعد یہاں کی نمی کی وجہ سے ہلکا ہلکا بخار شروع ہو جاتا ہے اور بھوک مر جاتی ہے۔

یہ راستہ تم نے کیسے دریافت کیا؟

جب میں یہاں لایا گیا تھا تو اس کمرے میں ایک شخص کبھی کبھی دیوار سے ٹکریں مارا کرتا تھا۔ دو تین دن میں کوئی توجہ نہ دی لیکن ایک دن میں نے اس کے جواب میں دیوار کو کھٹ کھٹنا شروع کر دیا تو تھوڑی دیر کے بعد کسی نے میرے کمرے میں دیوار کے قریب سِل اوپر اُٹھائی اور سر باہر نکال کر کہا۔ السلامُ علیکم! میں اس قدر ڈرا کہ اگر باہر نکلنے کا راستہ ہوتا تو میں شاید دریا میں بھی چھلانگ لگانے سے دریغ نہ کرتا۔ وہ بولا۔ ڈرو نہیں۔ میں تمہارا پڑوسی ہوں۔تھوڑی دیر غور سے دیکھنے کے بعد میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ قاضی لُو داؤد تھا جس نے ایک مقدمے میں سابق وزیر اعظم کی مرضی کے مطابق فیصلہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ راستہ انہوں نے میرے یہاں آنے سے بہت مدت پہلے کھودا تھا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ بے کاری سے اُکتا کر میں نے اس دیوار کے قریب فرش کی دو سلیں اکھاڑ ڈالیں اور فرش کی نم دار مٹی کو ایک ٹوٹے ہوئے برتن کے ٹھیکرے کے ساتھ کھودنا شروع کر دیا ۔وہ کہتے تھے کہ چند دنوں میں انہوں نے یہ سُوراخ نکال لیا تھا لیکن اس کمرے میں کسی کو نہ پا کر انہیں بہت افسوس ہوا۔ پہلی ملاقات کے بعد ہی مجھے انہوں نے اپنا گرویدہ بنا لیا لیکن وہ ڈیڑھ ماہ کے بعد چل بسے۔ پہریدار یہاں صبح و شام صرف دو

بار آتے ہیں۔اس کے بعد سارا دن اور ساری رات ہم ایک دوسرے سے مل سکیں گے۔صرف جمعہ کے دن وہ صفائی کے لیے آتے ہیں اس دن آپ سُوراخ پر یہ سلیں رکھ دیا کریں اور بہتر ہو گا کہ اپنا بچھونا بھی یہیں ڈال دیا کریں۔قید تو یقیناً میری طرح آپ کو بھی لامتناہی ہوگی۔مجھے معلوم ہے کہ قید خانے کے اس حصے میں صرف وہی لوگ بھیجے جاتے ہیں جن کا کوئی جرم نہیں ہوتا لیکن تم تو نوجوان ہو۔میں حیران ہوں کہ حکومت نے تمھیں اتنی اہمیت کیوں دی ہے؟میں نے شاید تمھیں کہیں دیکھا ہے!چلو دوسری طرف چلیں۔اُدھر تاریکی ذرا کم ہے۔

طاہر!اجنبی کے ساتھ پھر اپنی جگہ آبیٹھا۔

اجنبی نے کہا۔تم کھانا کھالو۔

طاہر نے جواب دیا۔مجھے بھوک نہیں۔

اجنبی نے کہا۔حقیقت یہ ہے کہ یہاں آکر پہلے دن کوئی قیدی کھانا نہیں کھاتا ۔میں نے بھی دو دن نہیں کھایا تھا لیکن آہستہ آہستہ عادی ہو جاتا ہے۔اچھا یہ بتاؤ تم یہاں کیونکر پہنچے، میں تمہارے اور کسی کام نہیں آسکتا۔لیکن اپنی اپنی سرگزشت سُنا کر ہم ایک دوسرے کا بوجھ ہلکا کر سکتے ہیں۔مجھے شک پڑتا ہے کہ میں نے تمھیں کہیں دیکھا ضرور ہے یہاں آکر حافظے پر بہت بُرا پڑتا ہے۔

میرا نام طاہر بن یُوسف ہے۔

طاہر بن یوسف؟میں نے یہ نام بھی سنا ہے۔تم فوج میں تھے؟

نہیں۔

تو پھر کس محکمے میں تھے؟

کسی میں نہیں۔میں بغداد میں ایک بہت بلند مقصد لے کر آیا تھا۔

تو پھر ٹھیک ہے۔ یہ کوٹھڑیاں صرف بغداد میں بلند مقاصد لے کر آنے والوں کو نصیب ہوتی ہیں۔ خلیفہ اور سلطنت کے عہدے داروں کا عتاب صرف ان لوگوں پر نازل ہوتا ہے جن سے خدا خوش ہو۔ اچھا، اب مجھے شروع سے اپنی سرگزشت سناؤ!

طاہر نے بغداد میں اپنی آمد اور قاسم کے ساتھ تیغ آزمائی کے واقعات سے اپنی سرگزشت شروع کی۔

اجنبی نے اسے ٹوکتے ہوئے سوال کیا۔ مجھے یاد آیا۔ تم وہی نوجوان ہو۔ ارے میں نے اس دن دُعا مانگی تھی کہ خدا تمہیں نظرِ بد سے بچائے۔ اچھا آگے سناؤ!

طاہر نے خوارزم کے سفیر کے ساتھ ملاقات کا ذکر کیا تو وہ چونک اُٹھا۔ میری طرف دیکھو۔ میں ہوں وحیدالدین!

آپ؟ طاہر نے اچانک سوال کیا۔

ہاں! میں وہی بدنصیب ہوں۔ مجھے یہاں سے رہائی کی اُمید نہیں اور آپ کو اپنی معصومیت کا یقین دلا کر میں آپ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا لیکن چونکہ ہم ساتھی ہیں۔ اس لیے آپ کی تسکین کے لیے خدا کو حاضر ناظر جان کر قسم کھاتا ہوں کہ میں نے چنگیز خان کے پاس کوئی ایلچی نہیں بھیجا تھا!

طاہر نے کہا۔ مجھے آپ پر یقین ہے۔ اگر آپ پر وہ کوئی جرم ثابت کر سکتے تو کھلی عدالت میں مقدمہ چلاتے، میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کو کب اور کیسے اس قید خانے میں بھیجا گیا؟

آپ پہلے اپنی سرگزشت ختم کریں۔ پھر میں آپکو آپ کے تمام سوالات کا جواب دوں گا۔ طاہر نے آخر تک اپنی سرگزشت سُنائی۔ وحیدالدین کچھ دیر گہری سوچ میں اس کی طرف دیکھتا رہ۔ بالآخر وہ بولا۔ اب میں آپ کے سوال کا جواب دیتا

ہوں۔آپ کی سرگزشت سننے کے بعد میرا یہ شک یقین کی حد تک پہنچ چکا ہے کہ میں مہلب بن داؤد کی سازش کا شکار رہا ہوں۔یہ شخص بغداد میں چنگیز خان کے سفیر کا ملازم تھا۔شہزادہ مستنصر کی سفارش پر میں نے اسے اپنے دفتر میں رکھ لیا۔جہاں تک علم کا تعلق ہے۔میں اب بھی اس کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔اپنی عمر کے لحاظ سے وہ بہت ہوشیار ہے۔شہزادہ مستنصر کی بدولت اس نے خلیفہ تک رسائی حاصل کر لی اور میں یہ محسوس کرنے لگا کہ میں برائے نام وزیر خارجہ ہوں،ورنہ وہ سیاہ و سپید کا مالک ہے۔اگر میرے دن اچھے ہوتے تو میں پہلے ہی مستعفی ہو جاتا لیکن میرے مقدر میں یہ ذلت تھی۔میں نے ایک دفعہ اُسے مستعفی ہونے کے لیے کہا لیکن اس نے خلیفہ کے پاس شکایت کی۔خلیفہ نے مجھے ڈانٹا۔اس کے بعد میں نے اس کیطرف سے آنکھیں بند کرلیں۔چنگیز خان کے عروج کی داستانیں مشہور ہوئیں تو اس نے مجھے مشورہ دیا کہ اس کیساتھ دوستانہ معاہدہ کر کے خوارزم کے خلاف متحدہ محاذ بنایا جائے۔میں نے اس کی تجویز کی مخالفت کی اور وہ چُپ رہا۔میں نے وزیراعظم سے کئی بار شکایت کی کہ یہ شخص خطرناک ہے لیکن اس نے اس بات کی پروانہ کی۔ایک دن مجھے خلیفہ نے بلا کر یہ حکم دیا کہ میں چنگیز خان کے نام دوستی کا پیغام بھیجوں۔لیکن میں نے یہ عذر پیش کیا کہ موجودہ صورت میں ہمارے کسی ایلچی کو خوازم کی حدود عبور کر کے قراقرم پہنچنا ممکن نہیں۔اگر وہ راستے میں پکڑا گیا تو دربارِ خلافت کی بدنامی ہوگی۔خلفیہ نے میرا اعتراض سن کر کوئی زور نہ دیا لیکن چند دن بعد مہلب نے بتایا کہ آج وزیراعظم نے خلیفہ کو ایک خط پیش کیا ہے جو حکومت خوارزم نے حکومت بغداد کے ایک ایلچی کی تلاشی لینے کے بعد برآمد کر کے بغداد میں اپنے سفیر کو بھیج دیا ہے۔اس نے مجھے یہ بتایا کہ اس خط پر میرے دستخط ہیں۔اس لیے مجھ

سے باز پرس ہوگی۔بہتر یہ ہے کہ میں روپوش ہو جاؤں لیکن میں نے اس کا مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا۔چونکہ میں نے ایسا خط نہیں لکھا،اس لیے مجھے باز پُرس کا ڈر نہیں۔میں ابھی خوارزم کے سفیر،وزیر اعظم اور خلیفہ کے سامنے یہ معاملہ صاف کرتا ہوں لیکن جب میں مکان سے باہر نکلا تو آٹھ دس سپاہی اور کوتوال دروازے پر کھڑے تھے۔مہلب کے اشارے پر مجھے گرفتار کر لیا گیا۔اب مجھے یقین ہے کہ مہلب نے میری جعلی دستخطوں سے یہ خط بھجوایا تھا اور خلیفہ کا میرے بعد اسے وزیر خارجہ کا عہدہ دینا یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ سب کچھ خلیفہ کے حکم سے ہوا۔وہ بدنامی کے خوف سے مجھ پر مقدمہ چلانے سے ڈرتے تھے اور خوارزم کے سفیر کو تسلی دینے کے لیے انہوں نے مجھے یہاں بھیج کر مشہور کر دیا ہوگا کہ مجرم کہیں روپوش ہو گیا ہے۔

”تو آپ کے خیال میں وزیر اعظم اس سازش میں شریک نہ تھا؟

نہیں۔اگر وہ اس سازش میں شریک ہوتا تو میرے ساتھ مہلب کو بھی یہاں ہونا چاہیے تھا۔میں تو سمجھتا ہوں کہ میری گرفتاری کا بھی اس کو علم نہیں۔ورنہ وہ میرے خلاف کھلی عدالت میں مقدمہ چلاتا۔میں یہ مانتا ہوں کہ وہ پرلے درجے کا جی حضوری ہے لیکن اسے تاتاریوں سے نفرت ہے اور وہ خوارزم کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے کا حامی تھا۔اس کی سب سے بڑی کمزوری صرف اپنے نالائق بیٹے سے محبت ہے۔

طاہر نے کہا۔لیکن خلیفہ نے چنگیز خان کو پیغام بھیجنے کے لیے آپ کا نام استعمال کیوں کیا؟وہ آسانی سے آپ کو نکال کر مہلب یا کسی اور آدمی کو آلہ کار بنا سکتا تھا۔

یہ اس لیے کہ ایلچی کے پکڑنے جانے کی صورت میں کسی ایسے شخص پر حرف آئے جس کی خدمات کے خلیفہ آئندہ کے لیے ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ میرے متعلق خلیفہ کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ میں ایسے معاملے میں رازداری سے کام نہ لوں گا:

۔



تیسرا حصہ۔۔۔آگ اور خون

علاؤالدین محمد خوارزم شاہ نے پہلی شکست کے بعد شمال مغرب کا رخ کیا اور سیحوں کے کنارے پر پڑاؤ ڈال کر جنوب کے شہروں سے افواج کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔قوقند کی فتح کے بعد چنگیز خان نے دریائے سیحوں کے ساتھ ساتھ شمال مغرب کا رخ کرنے کی بجائے اپنی افواج کا بڑا حصہ جنوب کی طرف منتقل کر دیا اور اس محاذ سے خوارزم شاہ کی توجہ ہٹانے کے لیے اپنے دو بیٹوں کو شمال میں اترار کی طرف روانہ کر دیا۔خوارزشاہ اپنے خیال کے مطابق چنگیز خان کے بیٹوں کو دریائے سیحوں کے کنارے ایک فیصلہ کن شکست دینے کے لیے زبردست تیاریاں کر دہا تھا لیکن اچانک اسے یہ خبر ملی کہ چنگیز خان کی فوج جنوب مشرق سے دریائے جیحوں کے ساتھ ساتھ سمرقند اور بخارا کا رخ کر رہی ہے۔محمد شاہ کو ایک طرف اپنی سلطنت کے دو مضبوط ترین قلعوں کے چھن جانے کا خدشہ پیدا ہوا اور دوسری یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اگر تاتاری ان دو شہروں پر قابض ہو گئے تو وہ دریائے جیحوں کے کنارے جھیل ارال تک اس کے باقی تمام مورچوں پر آسانی سے قابض ہو جائیں گے اور جنوب میں اس کی رسد و کمک کے تمام راستے کٹ جائیں گے۔

محمد شاہ نے اس موقع پر یہ بھی اپنے کہنہ مشق فوجی سرداروں کا مشورہ قبول نہ کیا اور کسی ایک میدان میں اپنی قوت کے ساتھ تاتاریوں کا مقابلہ کرنے کی بجائے اپنی فوج کا بیشتر حصہ مختلف شہروں کی حفاظت کے لیے بھیج دیا۔چالیس ہزار سپاہیوں کو دریا سیحوں کے کنارے کے شہروں کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر اس نے بخارا کا رخ کیا اور تیس ہزار سپاہیوں وہاں متعین کر کے باقی فوج کے ساتھ سمرقند جا پہنچا۔

اس دوران میں شمال میں چنگیز خان کا ایک بیٹا دریائے سیحوں عبور کر کے اترار

پر حملہ کر چکا تھا۔شہر کا گورنر آخری دم تک لڑتا رہا اور جب تاتاری قلعے کے دروازے توڑ کر اس کی بچی کھچی فوج تہ تیغ کر چکے تھے تو بھی وہ تنہا ایک برج پر چڑھ کر تیر برسا رہا تھا۔تیر ختم ہو گئے تو وہ اینٹیں برساتا رہا۔

اسے زندہ گرفتار کر کے چنگیز خان کے پاس بھیجا گیا۔چنگیز خان نے اس کے کانوں اور آنکھوں میں پگھلی ہوئی چاندی ڈلوا کر ہلاک کر ڈالا۔

چنگیز خان کے دوسرے بیٹے نے تاشقند پر قبضہ کر لیا۔اس کے بعد تاتاری افواج نے مختلف حصوں میں تقسیم ہو کر دریائے سیحوں کے کنارے اور کئی چھوٹے چھوٹے شہروں پر قبضہ کر لیا۔

چنگیز خان اپنے بیٹے تولائی کے ہمراہ راستے کی بستیوں اور شہروں کو خون اور آگ کا پیغام دیتا ہوا بخارا کی طرف بڑھا۔خوارزم شاہ کو سمرقند میں اس کی پیش قدمی کی اطلاع ملی۔فوج کے سرداروں کی اس مرتبہ بھی یہی رائے تھی کہ چنگیز خان کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ لڑی جائے لیکن خوارزم شاہ نے بخارا کی فصیل کو ناقابل تسخیر سمجھ کر اس مرتبہ بھی ان کی رائے ٹھکرا دی اور شہر کی حفاظت کے لیے مزید سپاہی بھیج دیئے اور جنوب کے شہروں کی افواج کو سمرقند بھیجنے کا حکم دیا۔خوارزم شاہ کو یہ توقع تھی کہ بخارا کی تسخیر میں تاتاریوں کو کئی مہینے لگ جائیں گے اور اس دوران میں وہ سلطنت میں اپنی افواج کا بکھرا ہوا شیرازہ منظم کر سکے گا۔

چنگیز خان نے چند دن کے محاصرے کے بعد محسوس کیا کہ شہر کو فتح کرنا آسان نہیں۔گزشتہ فتوحات میں وہ اسلحہ سازی کے بہت سے ماہرین کو گرفتار کر چکا تھا اور ان میں سے بعض اس کی ملازمت اختیار کر چکے تھے۔ایک شخص کے مشورے پر چنگیز خان نے فوج کو شہر پر آگ لگانے والے تیر پھینکنے کا حکم دیا۔آتشیں تیروں سے

شہر کے ایک محلے میں آگ لگ گئی اور اس سے تمام آبادی میں سراسیمگی پھیل گئی۔

ترک افواج نے مجبوراً شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کیا لیکن انھیں شکست ہوئی اور تاتاریوں نے انھیں چاروں طرف سے گھیر کر تہ تیغ کر ڈالا۔

فوج کی مدد سے محروم ہو جانے کے بعد اکابرین شہر نے چنگیز خان کے پاس صلح کے لیے ایک وفد بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ شہر کی ایک ہر دل عزیز شخصیت امام زادہ رکن الدین اس فیصلے کے حق میں نہ تھا۔ اس نے معززین شہر کے سامنے پر جوش تقریر کرتے ہوئے کہا۔ ''ہم کم از کم چھ ماہ تک شہر کی حفاظت کر سکتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ موجودہ حالات میں سمرقند کی افواج یہاں پہنچ جائیں گی۔ اس وقت چنگیز خان شہر کے دروازے کھلوانے کے لیے ہماری ہر شرط منظور کر لے گا لیکن تاتاریوں کے متعلق یہ سمجھنا کہ وہ کسی معاہدے کے پابند رہ سکتے ہیں، خود فریبی ہے۔ جب تاتاریوں کی افواج شہر میں داخل ہوں گی تو وہ تمہارے ساتھ وہی سلوک کریں گی جو انھوں نے اترار اور تاشقند والوں کے ساتھ کیا ہے۔''

لیکن امام زادہ رکن الدین کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ اکابرین شہر کے وفد نے چنگیز خان سے ملاقات کے بعد اہل شہر کو یہ خوش خبری سنائی کہ تمہاری جانیں، تمہاری جائدادیں اور تمہاری عزت محفوظ ہے۔ شہر کا نیا حاکم بھی مسلمان ہوگا۔ شہر کے دروازے کھل گئے۔

(۲)

رکن الدین نے درست کہا تھا۔ اہل بخارا وحشت اور بربریت کا طوفان اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے وہ درس گاہیں جہاں قرآن پڑھا جاتا تھا۔ تاتاریوں کے گھوڑوں کے لیے اصطبل کا کام دے رہی تھیں۔ چنگیز خان بخارا کی عظیم الشان مسجد

کی سیڑھیوں کے سامنے پہنچ کر گھوڑے سے اترا:

"یہ تمہارے بادشاہ کا گھر ہے؟" اس نے ایک شخص سے سوال کیا۔ "نہیں یہ خدا کا گھر ہے"۔

چنگیز خان مسجد کے اندر داخل ہوا اور اس نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میری افواج تھکی ہوئی ہیں، انھیں خوراک اور آرام کی ضرورت ہے۔ ان کے لیے اپنے گھروں کے دروازے کھول دو اور اس قسم کے کشادہ عمارتیں میرے گھوڑوں کے لیے خالی کردو اور ان کے لیے چارہ مہیا کرو۔ یاد رکھو، تم خدا کے قہر سے ڈرتے ہو اور میں تمہارے لیے خدا کا قہر بن کر آیا ہوں"۔

چنگیز خان نے ایک مترجم کو اپنا مفہوم بیان کرنے کے لیے کہا اور مسجد سے باہر نکل آیا۔ یہ تمہید تھی۔ اس کے بعد اہل بخارا نے جو کچھ دیکھا، وہ ان کی توقع سے کہیں زیادہ تھا۔ رات کے وقت مردوں کو اپنے گھروں میں گھسنے کی اجازت نہ تھی۔ اور وہ گلیوں، چوراہوں اور سڑکوں پر کھڑے اپنے مکانوں کے اندر تاتاریوں کے وحشیانہ قہقہے اور عورتوں کی جگر دوز چیخیں سن رہے تھے۔ اگر کسی کی غیرت جوش مارتی اور وہ اپنے گھر میں گھسنے کی کوشش کرتا تو تاتاری پہرے داروں کی تلواریں اسے خاک و خون میں لٹا دیتیں۔

امراء کے محلات پر تاتاریوں کا پہرہ اس سے کہیں زیادہ سخت تھا۔ انھیں طرح طرح کی جسمانی اذیتیں دینے کے بعد ان کے خفیہ خزانوں کا پتہ لگایا جاتا اور جب وہ ایک خزانے کا پتہ دیتے، انہیں یہ کہا جاتا کہ تم نے اور بھی بہت کچھ چھپا رکھا ہے۔ وہ سب کچھ دے بیٹھتے لیکن تاتاری مرتے دم تک ان کا پیچھا نہ چھوڑتے۔ بخارا کے باشندوں کے ہاتھ میں بیلچے دے کر امراء کے مکانات کی بنیادیں کھدوائی گئیں اور

جب تاتاریوں کو یقین ہو گیا کہ اب بخارا میں کوئی کارآمد چیز باقی نہیں رہی تو شہر کے تمام باشندوں کو ہانک کر ایک کھلے میدان میں لے آئے۔

اب کسی کو غلط فہمی نہ تھی کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ ہر طرف عورتوں اور بچوں کی جگر دوز چیخیں سنائی دے رہی تھی، مردوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ چیختی چلاتی عورتیں زبردستی کھینچ کھینچ کر مردوں سے علیحدہ کی گئیں۔ بیکس نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ ان کی آزادی چھن چکی تھی اور شہر میں ان کے مکانات میں آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے اور اب ان کی عورتیں بھی ان سے چھینی جا رہی تھیں۔ وہ پردہ نشیں عورتیں جنھیں آج تک چشم فلک نے بھی نہیں دیکھا تھا، تاتاری ان کے بچوں اور ان کے شوہروں کے سامنے ان کی عصمت دری کر رہے تھے۔ مردوں کے سامنے تاتاری سواروں کے نیزوں کی دیوار کھڑی تھی اور ان کے ہتھیار چھینے جا چکے تھے۔

امام زادہ رکن الدین چلایا۔ ''بزدلو! کیا دیکھتے ہو! چاروں طرف سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی اور اہل بخارا تاتاریوں پر ٹوٹ پڑے۔ خالی ہاتھوں سے تلواروں کا مقابلہ شروع ہوا۔ لیکن چند لمحات میں کئی آدمی تاتاریوں سے گتھم گتھا ہو کر ان کے نیزے، تلواریں اور خنجر چھین چکے تھے۔ عورتوں کی عصمت دری کرنے والوں میں سے اکثر کو تلواریں سنبھالنے اور گھوڑوں پر سوار ہونے کا موقع نہ ملا۔ لیکن تاتاریوں کی بیشتر فوج گھوڑوں پر چوکس تھی۔ انھوں نے چند حملوں میں لاشوں کے انبار لگا دیئے، تاہم دو ہزار تاتاری مارے گئے۔ تاتاریوں نے غضب ناک ہو کر چند گھنٹوں کے قتل عام کے بعد میدان صاف کر دیا۔ صرف چند عورتیں بچیں۔ ان کے ہاتھوں میں رسیاں باندھ کر گھوڑوں کی زینوں کے ساتھ منسلک کی گیا اور تاتاریوں

نے سمرقند کی طرف کوچ کر دیا۔

گھوڑوں کے ساتھ بندھی عورتیں زیادہ دور تک ان کی تیز رفتاری کا ساتھ نہ دے سکیں۔ جب قیدی عورتیں دم توڑ کر گر پڑتیں، تاتاری سوار خنجر کے ساتھ ان کی رسیاں کاٹ دیتے۔

چنگیز خان کو بخارا کی فتح کی خوشی سے زیادہ اپنے دو ہزار آدمیوں کی موت کا افسوس تھا۔

(۳)

سمرقند دفاعی انتظامات کے لحاظ سے خوارزم شاہ کا مضبوط ترین شہر تھا۔ شہر کی حفاظت کے لیے ایک لاکھ دس ہزار سپاہی موجود تھے لیکن بخارا کی فتح کی غیر متوقع خبر سے سلطان کی رہی سہی خود اعتادی رہی اور وہ چند سرداروں کو شہر کی قیادت سونپ کر بلخ کی طرف نکل گیا۔ فوج کو جن دو بڑی شخصیتوں سے صحیح رہنمائی کی توقع تھی، وہ سمرقند میں موجود نہ تھیں۔ سلطان کا نوجوان بیٹا جسے شیر خوارزم کہا جاتا تھا، سلطنت کے شمال مغرب علاقوں میں افواج تیار کر رہا تھا۔ اس نے ایلچی بھیج کر اپنے ضدی باپ سے سمرقند آنے کی اجازت مانگی لیکن سلطان کی طرف سے یہ جواب ملا۔ ''تم مجھ زیادہ تجربہ کار نہیں ہو۔ جب ضرورت ہو گی تمہیں بلا لیا جائے گا۔''

دوسرا تیمور ملک تھا جس نے قوقند کے معرکوں میں سارے ترکستان کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ اس کے متعلق سمرقند کے ہر بچے اور بوڑھے کی رائے یہ تھی۔ کہ وہ ایک لاکھ دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ تاتاریوں کو میدان میں شکست دے سکتا ہے لیکن سلطان نے سمرقند پہنچتے ہی اسے بلخ کے آس پاس جنگ جو قبائل کو منظم کرنے کے لیے بھیج دیا تھا۔

جب خوارزم شاہ بھی سمرقند سے نکل گیا تو تمام لشکر میں مایوسی پھیل گئی۔ اتا بک ملک اور سردار ذاتی رقابتوں کے باعث پہلے ہی مختلف ٹولیوں میں بٹے ہوئے تھے ۔کوئی با اثر شخصیت سر پر نہ ہونے کی وجہ سے یہ اختلاف اور بڑھ گیا۔

محاصرے کے دوران میں چنگیز خان کے بیٹے جو دریائے سیحوں کے کنارے بہت سے شہر فتح کر چکے تھے ۔قیدیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے ساتھ اپنے باپ سے آ ملے ۔سمرقند کی فصیل بہت مضبوط تھی ۔بارہ آہنی دروازے جن کی حفاظت کے لیے برجوں پر تیر اندازوں کا پہرہ تھا، نا قابل تسخیر تھے ۔

چنگیز خان نے قیدیوں کو فصیل کے اردگرد مورچے کھودنے کے کام پر لگا دیا اور طویل محاصرے کی تیاریاں شروع کر دیں ۔شہر کی محافظ فوج کو یہ احساس ہونے لگا کہ ایک دو ماہ تک تاتاری آس پاس کے علاقے میں اس قدر مضبوطی سے پاؤں جمالیں گے کہ باہر سے کوئی کمک اہل شہر کی مدد کے لیے بھیجی بھی گئی تو اس کے لیے شہر تک پہنچنا ناممکن ہوگا۔مورچے تعمیر کرنے کے لیے تاتاری آس پاس کی بستیوں سے قیدیوں کی نئی نئی ٹولیاں لا رہے تھے ۔

ان حالات کے پیش نظر فوج کے سرداروں نے شہر سے باہر نکل کر لڑنے کا فیصلہ کیا۔ترک نہایت بہادری سے لڑے لیکن عین اس وقت جب کہ تاتاریوں کے پاؤں اکھڑ رہے تھے، چند سردار جنھوں نے پہلے ہی چنگیز خان کے ساتھ ساز باز کر رکھی تھی ۔تیس ہزار فوج کے ساتھ اس سے جا ملے ۔فتح کے بعد چنگیز خان نے پہلے دن ان کی آؤ بھگت کی ۔انھیں پہننے کے لیے تاتاری سپاہیوں کا لباس دیا لیکن شہر میں قتل عام سے فارغ ہو کر ان تیس ہزار غداروں کو ان کے سرداروں سمیت رات کے وقت نیند کی حالت میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔چنگیز خان دشمن کے غداروں

سے کام لینے کا قائل تھا۔لیکن انھیں زندہ رکھنے کا قائل نہ تھا۔

سمرقند کی فتح کے بعد چنگیز خان نے اپنے بہترین سواروں کو خوارزم شاہ کے تعاقب میں بھیج دیا۔چنگیز خان کا خیال تھا کہ اگر خوارزم شاہ کو مہلت ملی تو وہ چند دنوں میں ایک اور لشکر تیار کر لے گا۔اس لیے اس نے تعاقب کرنے والی افواج کے سرداروں کو حکم دیا کہ وہ ہر قیمت پر خوارزم شاہ کا سراغ لگائیں اور جس شہر میں وہ موجود ہو،اس کا محاصرہ کر لیں۔باقی شہروں اور بستیوں سے کترا کر گزرتے جائیں۔

خوارزم شاہ کو بھی یہ پتہ چل گیا کہ تاتاری اب اس کی سلطنت کے شہروں کو فتح کرنے کا ارادہ ملتوی کر کے اسے پکڑنا چاہتے ہیں۔

خوارزم شاہ مختلف شہروں سے گزرتا ہوا نیشاپور پہنچا۔تاتاری راستے کے شہروں کو چھوڑتے ہوئے وہاں تک جا پہنچے تو خوارزم شاہ نے ہمدان کا رخ کیا لیکن تاتاری سائے کی طرح اس کے پیچھے تھے۔ایک مقام پر انھوں نے اسے آلیا اور خوارزم شاہ کے ساتھیوں میں سے چند ساتھیوں میں سے چند ایک کے سوا باقی تمام تہ تیغ کر دیے گئے۔خوارزم شاہ خود تیروں سے زخمی ہو کر بھاگا۔اب دنیا میں اس کے لیے سب سے بڑا مسئلہ اپنی جان بچانا تھا۔اس کے ساتھی اس سے تنگ آ چکے تھے۔

اس نے چاروں طرف سے مایوس ہو کر بحیرۂ خزر سے کنارے ڈیرہ ڈال دیا اور تمام قبائل کے سرداروں کی طرف ہرکارے دوڑا دیئے لیکن اس کی مدد کے لیے کوئی نہ پہنچا۔

(۴)

خوارزم شاہ کو اب دنیا میں کسی پر اعتماد نہ تھا۔تاتاریوں کی طرح اسے اپنے سپاہیوں سے بھی ہر وقت اپنی جان کا خطرہ رہتا تھا۔وہ اپنے لیے کئی خیمے نصب کرواتا لیکن ایک دو غلام کے سوا کسی کو یہ خبر نہ ہوتی کہ وہ آج رات کہاں سویا ہے۔ ایک رات وہ اپنے کشادہ خیمے سے نکل کر ایک چھوٹے سے خیمے میں جا کر سو گیا۔صبح کے وقت دوسرا خیمہ تیروں سے چھلنی تھا۔

ایک شام وہ سمندر کے کنارے کھڑا تھا کہ اسے فاصلے پر گرد اڑتی ہوئی دکھائی دی۔اسے شک گزرا کہ تاتاری آ رہے ہیں لیکن ایک سپاہی نے آ کر خبر دی کہ یہ مسلمانوں کی فوج ہے۔لشکر قریب آ کر رک گیا۔وہ صرف پانچ ہزار سپاہی تھے۔ خوارزم شاہ کو مایوسی ہوئی۔ایک سوار آگے بڑھا اور خوارزم شاہ کو دور سے پہچان کر گھوڑا بھگاتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔

یہ جلال الدین تھا۔

ایک لمحے کے لیے باپ اور بیٹا ایک دوسرے کی طرف دیکھتے، خوارزم شاہ نے کہا۔جلال! گھوڑے سے نہیں اترو گے؟

"نہیں، مجھے بہت دور جانا ہے۔میں صرف یہ پوچھنے آیا ہوں کہ آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے؟"

تو تم میری مدد کے لیے نہیں آئے؟

اس ویران جگہ پر آپ کو کیا خطرہ ہے۔میں موت کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ موت سے بھاگنے والوں کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟

خوارزم شاہ نے آگے بڑھ کر جلال الدین کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے

کہا۔نہیں نہیں نہیں، میں تمہیں نہیں جانے دوں گا۔زمین میرے لیے تنگ ہو چکی ہے۔تم میرا آخری سہارا ہو۔چلو میں تمہیں اپنا خیمہ دکھاتا ہوں، وہ تیروں سے پٹا پڑا ہے۔آج ساری دنیا میری دشمن ہے۔کیا میرا بیٹا بھی میرا ساتھ نہیں دے گا؟

جلال الدین نے جواب دیا۔"کاش آپ نے دنیا کے ساتھ کوئی بھلائی کی ہوتی۔آپ کی وجہ سے ملک کو ایک وحشی اور حقیر دشمن کی غلامی نصیب ہوئی۔آپ نے صرف اپنی جان کے خوف سے سارا ملک بھیڑیوں کے سپرد کر دیا۔قوم آپ کی غلطیوں کا خمیازہ بھگت رہی ہے۔مسلمان آپ کی وجہ سے تاتاریوں کے ہاتھوں اپنی بہو بیٹیوں کی بے حرمتی دیکھ رہے ہیں۔آپ آج انھیں یہ پیغام بھیجتے ہیں کہ وہ آ کر آپ کے خیمے پر پہرہ دیں، لیکن کس منہ سے؟"

"جلال! جلال!! میں تمہارا باپ ہوں!"

"کاش! میں آپ کے گھر پیدا ہونے کی بجائے ایک غریب لیکن بہادر آدمی کے گھر پیدا ہوتا!"

"جلال! میرا دل نہ دکھاؤ"

"کاش! آپ کے پہلو میں دل ہوتا لیکن قدرت نے وہاں گوشت کا ایک بے جان لوتھڑا رکھ دیا ہے۔"

"آخر ان باتوں سے تمہارا مطلب کیا ہے؟"

"کچھ نہیں، آپ کے ساتھ میری آخری ملاقات ہے اور میں آپ کے پاس یہ درخواست لے کر آیا ہوں کہ خزانہ میرے حوالے کر دیجئے۔ میں چاہتا ہوں کہ بخارا اور سمرقند کے خزانوں کی طرح وہ بھی تاتاریوں کے قبضے میں نہ آ جائے۔ مجھے تازہ افواج تیار کرنے کے لیے ایک ایک کوڑی کی ضرورت ہے۔"

تو تمہارا خیال ہے کہ تم تاتاریوں کے ساتھ لڑ سکتے ہو؟

''میرا شروع سے یہ خیال تھا لیکن آپ نے میرا راستہ روکے رکھا!''

''جلال! تاتاریوں کے ساتھ لڑنے کا خیال ایک جنون ہے اور میں اس مصیبت میں اپنی رہی سہی پونجی سے محروم نہیں ہونا چاہتا۔خدا کے لیے میرا ساتھ دو۔ مجھے اپنی جان سے زیادہ تمہاری جان عزیز ہے۔اس آسمان کے نیچے ایسی جگہیں ہیں جہاں ہم آرام سے باقی زندگی گزار سکتے ہیں۔ہم مصر چلے جائیں گے۔اندلس چلے جائیں گے۔''

''میں بزدلوں کی زندگی بسر کرنے والوں کا ساتھ دینے کی بجائے بہادروں کی موت مرنے والوں کا ساتھ دوں گا۔وہ قوم جو آپ کے تخت وتاج کے لیے خون بہاتی رہی، آج اسے میرے خون اور پسینے کی ضرورت ہے۔میں اسے پیٹھ نہیں دکھا سکتا۔''

''ایسے موقعوں پر ایک سپاہی فتح اور شکست سے بے نیاز ہو کر میدان میں کودنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔میں اپنا فرض پورا کروں گا۔فتح اور شکست خدا کے ہاتھ میں ہے۔لیکن جیتے جی شکست کا اعتراف ایک مسلمان کے شایان شان نہیں۔مجھے یہ بھی یقین ہے کہ اگر میں ان پانچ ہزار سپاہیوں کو بہادروں کی موت مرنا سکھا دوں تو ساری قوم جی اٹھے گی۔آپ مصر جائیے۔مجھے اس خزانے کی ضرورت نہیں، میں پیٹ پر پتھر باندھ کر اور جسم پر چیتھڑے اوڑھ کر لڑوں گا اور مجھے یقین ہے کہ قوم میرا ساتھ دے گی؟''

جلال الدین نے باگ کھینچ کر گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

''جلال ٹھہرو! مجھے یہاں چھوڑ کر نہ جاؤ۔یہاں میرا کوئی نہیں، مجھے اپنے

ساتھ لے چلو۔''

جلال الدین نے گھوڑا روکتے ہوئے کہا۔ ''چلیے''

''لیکن کہاں؟''

''موت کے پیچھے۔آزادی کی تلاش میں!''

''نہیں نہیں بیٹا! میرا کہا مانو۔ہم تاتاریوں سے نہیں لڑ سکتے!''

''خدا اور رسولؐ کے احکام سے زیادہ میرے لیے آپ کا حکم مقدم نہیں ۔ ہماری منزل اور راستے مختلف ہیں ۔خدا حافظ!''

چند دن کے بعد خوارزم شاہ کو کسی نے تاتاریوں کی آمد کی خبر دی اور وہ اپنے چند رفیقوں سمیت بحیرۂ خزر کے ایک جزیرے میں پناہ گزیں ہو گیا اور وہیں گمنامی کی موت مر گیا۔

(۵)

تاتاریوں کا سیل ہمہ گیر ترکستان، خراسان اور ایران کے وسیع میدانوں کا رخ کر رہا تھا۔آگ اور خون کے اس طوفان کے سامنے پہاڑ، دریا اور قلعے کوئی شے نہ تھے ۔شمال اور مغرب میں تاتاریوں کے سیلاب کی لہریں سلطنت خوارزم کی حدود سے آگے گزر کر دریائے ڈنیپر کے کناروں کو چھو رہی تھیں ۔چنگیز خان کا ایک بیٹا روس میں ماسکو کے دروازے پر دستک دے رہا تھا اور دوسرا مشرقی یورپ کی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کو تاخت و تاراج کر رہا تھا۔لیکن خوارزم کی وسیع سلطنت میں ابھی تک ایک ناقابل تسخیر چٹان موجود تھی ۔سیلاب کی تند و تیز لہریں کئی بار اس کے اوپر سے گزر گئیں ۔لیکن اسے متزلزل نہ کر سکیں ۔خوارزم کی خاکستر میں ابھی تک آگ کی ایک چنگاری سلگ رہی تھی اور چنگیز خان یہ خطرہ محسوس کر رہا تھا کہ اگر اس

چنگاری کو ختم نہ کیا گیا تو راکھ کا یہ انبار کسی دن ایک آتش فشاں پہاڑ بن جائے گا۔ یہ آہنی چٹان اور یہ نہ بجھنے والی چنگاری جلال الدین تھا۔ ایک بزدل باپ کا بہادر بیٹا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو جیتے جی ہار ماننا نہیں جانتے۔ جو فتح اور شکست سے بے نیاز ہو کر لڑتے ہیں۔ طوفان میں کودتے ہوئے سمندر کی گہرائی کی پروا نہیں کرتے۔

جلال الدین نے جانبازوں کی ایک مٹھی بھر جماعت کے ساتھ کئی میدانوں میں تاتاریوں کا مقابلہ کیا۔ وہ ایک جگہ سے شکست کھا کر نکلتا اور دوسرے دن یہ سنا جاتا کہ وہ تیس یا چالیس کوس دور اپنی سلطنت کے کسی کھوئے شہر کو واپس لے چکا ہے ۔ کبھی اس کے ساتھ پانچ ہزار سپاہی ہوتے کبھی پانچ سو اور کبھی پانچ سے بھی کم لیکن وہ لڑتا رہا۔ وہ بھوکے شیر کی طرح عقب سے حملہ کرتا، عقاب کی طرح ہراول پر جھپٹتا اور تاتاریوں کے دیکھتے دیکھتے کسی پہاڑ یا جنگل میں روپوش ہو جاتا۔

رات کے وقت اس کے سوار تاتاریوں کی چھاؤنیوں پہ حملہ کرتے، اور آن کی آن میں جلتی ہوئی مشعلوں سے سینکڑوں خیموں کو آگ لگا جاتے۔ وہ تاتاریوں کی ٹڈی دل افواج سے مرعوب نہ ہوا۔ مفتوحہ شہروں اور بستیوں پر تاتاریوں کے مظالم کی داستانیں اس کا حوصلہ پست نہ کر سکیں۔

بخارا، سمرقند اور دوسرے شہروں پر تاتاریوں کے مظالم کی داستانیں سن کر جنوب کے شہروں کی بیشتر آبادی ہمسایہ ممالک کی طرف ہجرت کر چکی تھی۔ عراق، شام، افغانستان اور مصر کی طرف جانے والے راستوں پر لاکھوں پناہ گزین بچوں مردوں اور عورتوں کے قافلے بھوک سے مر رہے تھے۔ صاحب حیثیت لوگ محمد شاہ کی پہلی شکست کی خبر پاتے ہی دوسرے ممالک میں ہجرت کر چکے تھے۔

لیکن چند اور شہر فتح ہونے کے بعد جب سب کو یقین ہو گیا کہ تاتاری کسی

ایسے مسلمان مرد کو زندہ نہیں چھوڑتے جو تلوار اٹھا سکتا ہو تو غریب اور نادار لوگ بھی اپنی بستیاں اور شہر خالی کرنے لگے۔ قافلوں اور قافلوں کے رہنماؤں میں سے بہت کم کو یہ علم ہوتا کہ ان کی منزل کہاں ہے لیکن وہ جا رہے تھے۔ شام مشرق سے تاتاریوں کا خوف انھیں جنوب مغرب کی طرف دھکیل رہا تھا۔

جن قافلوں کا تاتاریوں سے تصادم ہوتا، ان میں سے چند خوب صورت عورتوں کے سوا تمام کو قتل کر دیا جاتا۔

روز ازل سے لے کر اب تک دن کے وقت سورج اور رات کے وقت تاروں نے خدا کی زمین پر اپنی آنکھوں سے ایسے مظالم نہ دیکھے تھے۔

پناہ گزینوں کی زیادہ تر تعداد مرو کا رخ کر رہی تھی۔ اور یہ وہ شہر تھا جو چھ صدیاں پیشتر ترکستان کے فاتح اعظم قتیبہؒ بن مسلم باہلی کا مستقر تھا، جہاں سلطان سنجر سلجوقی کی قبر موجود تھی۔

جلال الدین کی سرگرمیوں کے باعث بیشتر پناہ گزینوں کو تاتاریوں کے ہاتھوں سے بچ کر مرو پہنچنے کا موقع مل گیا۔ چند مہینوں میں مرو میں کئی لاکھ پناہ گزین جمع ہو چکے تھے۔

☆☆☆

اہم فیصلے

طاہر کو قید ہوئے دس مہینے گزر چکے تھے۔ ابتدائی چند ہفتے عوام بہت مشتعل رہے لیکن آہستہ آہستہ ان کا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا اور مظاہرے بند ہو گئے۔ حکومت نے عوام کی طرف سے مطمئن ہو کر عبدالعزیز، عبدالملک اور ان کے ساتھیوں کے متعلق حکومت کے خلاف نفرت پھیلانے کے جرم میں گرفتاری کے احکام جاری کر دیئے لیکن سنجیدہ اور با اثر لوگوں کا ایک طبقہ ان کا حامی تھا اور حکومت کو انھیں پر امن طریقے سے گرفتار کرنے کا موقع نہ ملا۔

بخارا، سمرقند، طوس، ترمز اور رے کے متعلق الم ناک خبریں سن کر اہل بغداد نے پھر کروٹ لی اور طاہر کے حامیوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ پناہ گزینوں کا ایک قافلہ بغداد پہنچا اور ان کی زبانی تاتاریوں کے روح فرسا مظالم کی داستانیں سننے کے بعد بغداد کی ہر محفل میں خلیفہ اور امرائے سلطنت کی بے حسی پر نکتہ چینی میں اضافہ ہونے لگا۔ تاتاریوں کے ایران میں داخل ہونے کی خبر سن کر ان کی بے چینی خوف و ہراس میں تبدیل ہو گئی اور لوگ کھلے بندوں وزیر اعظم، خلیفہ اور دوسرے امراء کے خلاف غم و غصے کا اظہار کرنے لگے۔

ایک رات شہر کی ہر مسجد کے دروازے پر اس مضمون کے اشتہار چسپاں تھے:

"غفلت کی نیند سونے والو! جاگو! ہلاکت اور بربادی کا طوفان بغداد کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے۔ جن لوگوں کو تم اپنا محافظ سمجھتے ہو، وہ تاتاریوں کے ساتھ تمہاری عزت اور آزادی کا سودا کر چکے ہیں۔ کیا اب تک حکومت کی غیر جانبداری یہ ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں کہ طاہر بن یوسف نے خلیفہ اور

چنگیز خان کے درمیان جس خفیہ سمجھوتے کا انکشاف کیا تھا وہ ہو چکا ہے۔ اگر طاہر کا الزام غلط تھا تو حکومت اس پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلانے کی جرأت کیوں نہ کرتی؟ اگر خلیفہ کو علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ سے دشمنی تھی تو وہ چل بسا۔ اب ترکستان، خراسان اور ایران میں تاتاریوں کے ناقابل بیان مظالم کی اطلاعات سن کر بھی خلیفہ دشمنان اسلام کے خلاف اعلان جہاد کیوں نہیں کرتا؟

بغداد کے لوگو! تمہارے غدار تمہیں اس دشمن کے ہاتھ میں فروخت کر رہے ہیں جو کسی پر رحم کرنا نہیں جانتا اب وقت آ گیا ہے کہ تم اپنے لیے ایک فیصلہ کرو۔ جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد ایک پیغام سنایا جائے گا!''

جمعہ کے دن مسجد میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی اور پیغام سنانے والا عبدالملک تھا۔ سامعین یہ محسوس کر رہے تھے کہ طاہر بن یوسف کی روح قید خانے سے نکل کر اس کے وجود میں آ گئی ہے۔ اس کی تقریر کا سب سے پہلا اثر یہ تھا کہ جن قاضیوں نے طاہر بن یوسف کے خلاف باغی ہونے کا فتویٰ دیا تھا، ان کے مکانات کو آگ لگا دی گئی۔ شام کے وقت مشتعل ہجوم وزیر اعظم کے محل کے دروازے کے سامنے نعرے لگا رہا تھا۔

(۲)

اکابرین سلطنت ایک وسیع کمرے میں خلیفہ کی مسند کے سامنے کرسیوں پر رونق افروز تھے۔ نقیب نے خلیفہ کی آمد کا اعلان کیا اور امراء اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

ایک سپاہی نے مسند کے پیچھے دروازے کا پردہ ہٹایا اور خلیفہ چار حبشی غلاموں کی ننگی تلواروں کے سائے میں مسند پر نمودار ہوا۔ نقیب کے دوسرے اعلان پر امراء اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

خلیفہ کے حکم پر ناظم شہر نے اٹھ کر شہر کی تازہ صورت حالات کے متعلق اپنی رپورٹ پیش کی اور اکثر امراء نے یکے بعد دیگرے اس پر اپنی رائے کا اظہار کیا۔ وہ تمام اس بات پر متفق تھے کہ طاہر کی گرفتاری کے بعد عوام بے حد مشتعل ہو چکے ہیں۔ شہر کے سب سے بڑے قاضی کا مکان صرف اس لیے جلایا گیا ہے کہ انھوں نے اس کے خلاف بغاوت کا فتویٰ دیا تھا اور جن علماء نے اس کے بے دین ہونے کا اعلان کیا تھا، مشتعل ہجوم ان گھروں پر ہر روز پتھر پھینکتا ہے۔ شہر کی مساجد پر گمراہ قسم کے نوجوان قابض ہو رہے ہیں اور سلطنت کے ایک ایک عہدے دار کو بر سر منبر کوسا جا رہا ہے۔ شہر کے کوتوال نے بتایا کہ عبدالعزیز اور عبدالملک کی کوششوں سے فوج کے کئی سپاہی اور افسر در پردہ ان باغیانہ سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ خلیفہ نے یہ تمام واقعات سننے کے بعد بے قراری سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ ''باغیوں کی سرگرمیوں کے متعلق ہم بہت کچھ سن چکے ہیں۔ ہم یہ پوچھتے ہیں کہ تم لوگوں نے اب تک کیا کیا ہے کتنے آدمی گرفتار کیے؟''

کوتوال اور ناظم شہر اس سوال پر وزیراعظم کی طرف دیکھنے لگے۔ وزیراعظم نے اٹھ کر کہا۔ ''امیر المومنین کی اجازت سے میں اس سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں''۔

خلیفہ نے اثبات میں سر ہلا دیا اور وزیراعظم نے کہا۔ ''لوگ اس بات سے زیادہ بدظن ہوئے ہیں کہ ہم نے طاہر پر مقدمہ چلائے بغیر اسے قید میں ڈال دیا ہے

۔اس نے اپنی تقریروں میں حکومت پر سخت الزامات لگائے تھے۔اگر اسے عدالت میں لایا جائے تو مجھے یقین ہے کہ وہ کسی الزام کا ثبوت نہیں دے سکے گا اور رائے عامہ جو آج ہمارے خلاف ہے کل اس سے کہیں زیادہ اس کے خلاف ہو جائے گی۔ ہم اگر آج اندھا دھند گرفتاریاں شروع کر دیں تو بغداد کے قید خانے بھر جائیں گے لیکن باغیوں کی تعداد میں کمی نہ ہوگی۔

اس کے علاوہ ترکستان کے مفتوحہ علاقوں پر تاتاریوں کے مظالم کی داستانیں کسی سے پوشیدہ نہیں۔جب اسلامی ممالک کے باشندوں کو پتہ چلے گا کہ بغداد کے عوام حکومت کو تاتاریوں کے ساتھ سازباز کرنے کا مجرم گردانتے ہیں اور حکومت کھلی عدالت میں نیک نیتی کا ثبوت دینے کی بجائے لوگوں پر سختی کر کے ان کی آواز دبانا چاہتی ہے تو وہ یہ سوچنے میں حق بجانب ہوں گے کہ حکومت واقعی مجرم ہے۔طاہر نے منبر پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا تھا کہ اس کے ساتھ جو نوکر یہاں سے روانہ ہوئے تھے، ان کے منڈے ہوئے سروں پر سابق وزیر خارجہ اور حضرت امیر المومنین مدظلہ العالی کے دستخطوں سے ایسی تحریر لکھی ہوئی تھی جس میں تاتاریوں کو خوارزم پر حملہ کرنے کی ترغیب دی گئی تھی لیکن ہم آسانی سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ ایک افسانہ ہے۔وحید الدین اپنی پہلی سازش کے انکشاف کے بعد اچانک روپوش ہو گیا تھا اور آج تک اس کا پتہ نہیں اور طاہر یہاں سے وحید الدین کے روپوش ہو جانے سے ایک ڈیڑھ ماہ بعد قراقرم کی طرف روانہ ہوا تھا، اس لیے وہ یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ اس کے ساتھی وحید الدین سے کوئی تحریر یا ہدایت لے کر گئے تھے۔

اس کے علاوہ اس کے بیان کے مطابق وہ تینوں آدمی مارے جا چکے ہیں اور

ان کے سر خوارزم شاہ کے پاس بھیجے گئے تھے اس لیے وہ اس تحریر کے متعلق بھی کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ اسے قاضی کے سامنے لایا جائے تو بغداد کا احمق ترین آدمی بھی اسے جھوٹا خیال کرے گا۔ اس کے برعکس اس پر مقدمہ چلائے بغیر اسے قید میں رکھنے یا کوئی اور سزا دینے سے بغداد کے لوگوں کی بے چینی بڑھتی جائے گی"۔

امرائے سلطنت کی اکثریت نے وزیر اعظم کی تجویز کی حمایت کی۔ خلیفہ نے مہلب بن داؤد کی طرف دیکھا اور اس نے اٹھ کر نہایت فصیح انداز میں تقریر شروع کی:

"ہم طاہر کو ایک معمولی عقل کا آدمی سمجھنے میں غلطی کر رہے ہیں۔ میرے خیال میں ہو بغداد کی فضا مکدر کرنے کے لیے حکومت خوارزم کی ہدایات پر عمل کر رہا ہے۔ اس کی دولت کے قصے پہلے بھی مشہور تھے اور اب وہ اس مہم کے لیے یقیناً اپنے ساتھ بہت کچھ لے کر آیا ہوگا۔ وہ نوکر جو اس کے ساتھ گئے تھے، نہایت معمولی حیثیت کے لوگ تھے۔ ممکن ہے کہ دولت کے لالچ سے وہ اس کے مقاصد کا آلہ کار بننے کے لیے تیار ہو گئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ زندہ ہوں اور طاہر نے انھیں بغداد کے کسی گوشے میں چھپا رکھا ہو اور ان کی موت کا قصہ اس لیے مشہور کیا ہو کہ ہم ان کی جستجو نہ کریں۔ آپ صرف اس بھروسے پر اسے عدالت میں اپنے الزامات ثابت کرنے کا موقع دینا چاہتے ہیں۔ کہ اس کے حق میں گواہی دینے والا کوئی نہیں لیکن اگر اچانک وہ تین آدمی کسی گوشے سے نکل کر عدالت میں آ جائیں تو عوام کو آپ یہ نہیں سمجھا سکیں گے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ وحید الدین محض اس سازش کو چھپانے کے لیے روپوش ہو گیا ہو، اسی نے ان تینوں

آدمیوں کے سروں پر کچھ لکھا ہو اور اسی نے خلیفہ کے جعلی دستخط کیے ہوں۔ کسی کے لیے سابق وزیر خارجہ کے ہاتھ کی تحریر پہچاننا مشکل نہ ہوگا۔ طاہر نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا کہ قراقرم میں ان کے سر مونڈ کر یہ تحریریں پڑھی گئیں۔ اس لیے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں بغداد سے طاہر کے ساتھ بھیجنے سے کچھ عرصہ پہلے ہی تیار کرلیا گیا تھا ۔"

وحیدالدین ایک عام آدمی نہ تھا۔ وہ حکومت کا ایک اہم رکن تھا۔ اگر عدالت میں اس کی سازش ثابت ہوگئی تو عوام ہم سب کو مجرم گردانیں گے۔ اس لیے میں اسے عدالت میں لانا خطرے سے خالی نہیں سمجھتا۔ تاہم میں وزیراعظم کی اس رائے کے حق میں ہوں کہ سردست کسی سخت اقدام سے عوام کو مشتعل کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ اگر ہم تدبر سے کام لیں تو یہ تمام مشکلات حل ہوسکتی ہیں۔ حضرت امیر المومنین مدظلہ، اور قابل احترام وزیراعظم مجھے اجازت دیں تو میں تخلیے میں ایک تجویز پیش کروں گا۔

خلیفہ نے عصر کے وقت وزیراعظم اور مہلب کو حاضر ہونے کا حکم دے کر مجلس برخاست کی۔

عصر کے وقت جب وزیراعظم خلیفہ کے محل کے دروازے پر پہنچا تو شہر کا ناظم اور مہلب باہر نکل رہے تھے۔ وزیراعظم کے استفسار پر مہلب نے بتایا کہ مجھے خلیفہ نے وقت سے پہلے ہی بلا لیا تھا اور میں اپنی تجویز پیش کر چکا ہوں۔ خلیفہ میرے ساتھ متفق ہیں اور اب میں آپ کی طرف آ رہا تھا۔ میں نے خلیفہ کو یہ مشورہ دیا ہے کہ طاہر کو قید سے فرار ہونے کا موقع دیا جائے۔ تاتاریوں کی افواج مرو پر حملہ کر چکی ہیں وہ اور اس کے تمام سرپھرے ساتھی موقع ملتے ہی اس طرف بھاگ جائیں

گے ۔اس کے بعد لوگ خود بخود ٹھنڈے ہو جائیں گے ۔اس کی گرفتاری کے فوراً بعد سرکاری جاسوسوں نے بتا دیا تھا کہ اگر اسے گرفتار نہ کیا جاتا تو وہ ایک دن یا دو دن کے اندر بغداد چھوڑنے والا تھا۔اب ہم اسے رہائی کا موقع دیتے ہی شہر میں منادی کرادیں گے کہ اسے پکڑنے والے کو ایک بہت بڑی رقم انعام دی جائے گی اور اس کے چلے جانے کے ایک یا دو دن بعد ہم یہ مشہور کر دیں گے کہ وہ خوارزم شاہ کے ایما پر بغداد میں فتنہ پیدا کرنے کے لیے آیا تھا۔"

وزیراعظم نے کہا۔"آپ نے ہمیں یہ راستا بتا کر ملک کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔میں ابھی داروغہ کو حکم بھیجتا ہوں کہ اسے قید خانے سے بھگا دے۔"

مہلب نے کہا۔"یہ کام میرے سپرد کیجئے۔ میں کل ناظم شہر کے ساتھ خود داروغہ کے پاس جاؤں گا اور اسے سمجھا دوں گا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔"

وزیراعظم نے کہا۔"آپ نے مجھے بہت بڑی ذہنی کوفت سے نجات دلائی، میں آپ کا شکر گزار ہوں"۔

مہلب نے جواب دیا۔"یہ میرا فرض تھا"۔

لوگ بہت زیادہ مشتعل ہو رہے ہیں۔میرے خیال میں اسے جلدی قید خانے سے نکال دینا چاہیے۔

"آپ مطمئن رہیں، وہ کل تک آزاد ہو جائے گا"۔

(۳)

صفیہ دریا کے کنارے بالائی منزل کی چھت پر کھڑی تھی۔شام ہونے کو تھی۔ مغربی افق پر آفتاب کو اپنی آغوش میں لینے والے بادلوں کا رنگ سرخ ہو رہا تھا۔ پرندے آسمان کی مشعل کو روپوش ہوتے دیکھ کر اپنے اپنے گھونسلوں میں پناہ لے

رہے تھے۔ فضا کے دھند لکے کے ساتھ چاند کا زردی مائل چہرہ روشن ہونے لگا۔ ستارے آسمان کے آنچل سے جھانکنے لگے اور مغموم کائنات مسکرا اٹھی۔ فضا میں خنکی بڑھ رہی تھی۔ دن بھر کے تھکے ہوئے ماہی گیر اپنی اپنی کشتیاں دوسرے کنارے پر لگا رہے تھے۔ پانی کی سطح سے کبھی کبھی کوئی بے قرار مچھلی ایک دو بالشت اچھلتی پھر روپوش ہو جاتی۔

صفیہ نیچے اترنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ اسے کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ اسے مڑ کر دیکھا اور بے پروائی سے منہ پھیر لیا۔ یہ قاسم تھا۔

اس نے کہا ”صفیہ سردی لگ جائے گی۔ چلو نیچے!“

صفیہ نے کوئی جواب نہ دیا اور آگے بڑھ کر پھر دریا کی طرف دیکھنے لگی۔

”صفیہ! خدا کے لیے بولو۔ مجھے جی بھر کر کوسو۔ میرے لیے تمہاری یہ خاموشی نا قابل برداشت ہے۔ اگر مجھے معلوم ہو کہ اس دریا کا رخ بدل دینے سے تمہاری کھوئی ہوئی مسکراہٹ واپس دلا سکتا ہوں تو خدا کی قسم میں اس کے لیے بھی تیار ہو جاؤں گا!“

وہ چلائی۔ ”تم جھوٹے ہو۔ تم مکار ہو۔ خدا کے لیے جاؤ مجھے پریشان نہ کرو!“

”بس میں یہی سننے کے لیے آیا تھا۔“ اس نے اپنی خفت کو چھپاتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی۔

صفیہ نے اور زیادہ تلخ ہو کر کہا۔ ”تم ظالم ہو، تم کمینے ہو، تم قوم کے غدا ہو۔ جاؤ ورنہ میں اس چھت سے چھلانگ دوں گی!“

قاسم نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔ صفیہ! واقعی تمہیں مجھ سے اتنی نفرت ہے؟

میں تمہیں نفرت کے قابل بھی نہیں سمجھتی ۔اس نے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

یہ سب کچھ طاہر کی وجہ سے ہے ۔وہ بےوقوف بدو! قاسم غصے سے دانت پیش رہا تھا۔

''میں تمہیں ہمیشہ قابل نفرت سمجھتی تھی ۔''

''تم جھوٹ کہتی ہو۔تم نے آج جو کچھ ابا، امی اور سکینہ سے کہا ہے، میں سن چکا ہوں ۔مجھ سے نفرت کی وجہ یہ ہے کہ تم اس جاہل سے محبت کرتی ہو لیکن تمہیں اپنا فیصلہ بدلنا پڑے گا۔تم میرے پاؤں پر سر رکھنے پر مجبور ہو جاؤ گی!''

صفیہ نے قاسم کی طرف حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔میں مر جانا بہتر سمجھوں گی اور میں یہ کہتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرتی کہ مجھے اس سے محبت ہے ۔میں نے جو کچھ چچا، چچی اور سکینہ سے کہا ہے، تمام دینا کے سامنے کہوں گی ۔تم زیادہ سے زیادہ موت کی سزا دے سکتے ہو لیکن مجھے اس محل سے زیادہ اس کی قبر کی مٹی عزیز ہو گی۔تم مجھ سے سب کچھ چھین سکتے ہو لیکن اس کی محبت نہیں چھین سکتے ۔

''تمہیں اس کی قبر کی مٹی عزیز ہو گی لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اسے قبر کی مٹی بھی نصیب نہیں ہو گی ۔''

''مجھے اس کی پرواہ نہیں ۔ میں اسے ہر جگہ دیکھ سکوں گی ۔ دریا کی ان لہروں میں چاند کی روشنی میں، ستاروں کی جگمگاہٹ میں، وہ ہر وقت میرے پاس ہو گا۔

میں پھولوں میں اس کی مسکراہٹ دیکھوں گی، ہواؤں کیسرسراہٹ میں اس کی آواز سنوں گی ۔تم اسے مجھ سے چھین سکتے ہو ۔جدا نہیں کر سکتے ۔

تو اس کا مطلب ہے کہ تمہاری محبت کو اس بات کی پروا نہیں کہ وہ زندہ رہے یا

مر جائے۔تمہیں اس کی زندگی کے بلند مقاصد سے کوئی دلچسپی نہیں؟

تم ان بلند مقاصد کے متعلق کیا جانتے ہو۔ایک گندی نالی میں پلنے والا کیڑا آسمان کی بلندیوں سے باتیں کرنے والے عقاب کے خیالات کیسے سمجھ سکتا ہے؟

تو کیا تم یہ پسند کرو گی کہ تمہارے عقاب کے پر صرف تمہاری وجہ سے کاٹ ڈالے جائیں؟ اگر تم یہ چاہتی ہو کہ وہ اپنے مقاصد کے لیے زندہ رہے تو تم اسے موت کے منہ سے بچا سکتی ہو لیکن تمہیں ایک چھوٹی سے قُربانی دینا پڑے گی۔

میں اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دے سکتی ہوں۔

لیکن یہ اچھی طرح سوچ لو۔تمہیں صرف اس کی ذات سے محبت ہے۔اس کے مقاصد کے لیے قُربانی دینا تمہارے لیے آسان نہ ہوگا۔تمہیں اپنی محبت قربان کرنا پڑے گی۔بتاؤ تم اس کے لیے تیار ہو؟ بولو! خاموش کیوں ہو گئیں۔۔۔۔۔۔ میں آج تمہارا امتحان لینے کے لیے آیا ہوں۔کان کھول کر سُنو۔اسے قتل کر دینے کا فیصلہ ہو چکا ہے لیکن تمہارا ایک وعدہ اس کی جان بچا سکتا ہے۔میں اسے قید خانے سے فرار ہونے کا موقع دے سکتا ہوں۔وہ ترکستان یا کسی اور ملک میں جا کر اپنے بلند مقاصد کے لیے زندہ رہ سکتا ہے۔

صفیہ نے قدرے نرم ہو کر سوال کیا۔اور اس کے عوض مجھ سے کیا وعدہ لینا چاہتے ہو؟

یہ کہ تم میرے ساتھ شادی کر لو گی؟

دونوں کچھ دیر ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔صفیہ کے کانوں میں طاہر کے یہ الفاظ گونج رہے تھے۔آپ ایک عالی شان محل میں رہ کر بھی اپنا دم گھٹتا محسوس کرتی ہیں لیکن ترکستان میں آپ کی ہزاروں ایسی بہنیں جنہیں اس آسمان کے نیچے سر

چھپانے کی جگہ نہیں ملتی۔ اس وقت میری توجہ کی حق دار وہ ہیں۔ اسلام کی وہ بدنصیب بیٹیاں اپنی عراق، عرب اور مصر کے پُرامن شہروں میں رہنے والی بہنوں سے پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہیں کہ اگر تمہارے بھائی، شوہر اور عزیز ہماری مدد کو پہنچ سکتے ہیں تو خدا کے لیے ان کا راستہ نہ روکو!

دریا میں بہتے ہوئے اس انسان کی طرح جس کے ہاتھ میں کنارے پر اُگی ہوئی گھاس کے چند تنکے آ گئے ہوں۔ صفیہ نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔۔۔۔ میں وعدہ کرتی ہوں۔ لیکن مجھے تمہاری باتوں پر یقین نہیں آتا۔ اُسے قید سے چُھڑانا تمہارے بس میں نہیں۔

قاسم نے پُرامید ہو کر کہا۔ تم اطمینان رکھو۔ وہ بہت جلد آزاد ہو جائے گا۔

صفیہ نے سراپا التجا بن کر کہا۔ قاسم میرے ساتھ دھوکا نہ کرنا۔ عالمِ اسلام کو اس کی ضرورت ہے۔ اگر تم مجھے معاف نہیں کر سکتے تو اپنے ہاتھوں سے میرا گلا گھونٹ ڈالو۔ میرا ہونا ایک جیسا ہے لیکن اس کی موت شاید لاکھوں انسانوں کی موت ہو۔

قاسم نے جواب دیا۔ تم عنقریب سنو گی کہ وہ خوارزم پہنچ چکا ہے۔ چلو نیچے چلیں۔

صفیہ اس کے ساتھ چل دی۔

وہ کمرے میں داخل ہوئی تو سکینہ نے کہا۔ تم کہاں غائب ہو گئی تھیں۔ کھانا ٹھنڈا ہو گیا۔

وہ جواب دیے بغیر اپنے بستر پر لیٹ گئی اور تکیے میں منہ چھپا کر ہچکیاں لینے لگی۔ سکینہ نے اسے اٹھا کر اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ صفیہ۔ صفیہ!! تمہیں کیا ہو گیا۔ بتاؤ۔ خدا کے لیے بتاؤ! لیکن صفیہ نے اس کا ہاتھ جھٹکتے

ہوئے کہا۔سکینہ جاؤ! مجھے تنہا رہنے دو۔

(۴)

شام کے وقت قید خانے کی چار دیواری کے اندر داروغہ کے مکان کے ایک کمرے میں مہلب، ناظم شہر اور دوراغہ بیٹھے ہوئے تھے۔ناظمِ شہر نے مہلب سے سوال کیا۔فرض کیجئے۔اگر آج اس نے کھانا نہ کھایا تو؟

تو کل ضرور کھائے گا۔

داروغہ نے کہا۔میری نظر میں تو وحیدالدین بھی کم خطرناک نہیں۔مجھے ڈر ہے کہ وہ کسی وقت ہماری گردن پر تلوار ثابت نہ ہوگا اس لیے بہتر یہ ہوگا کہ اسے بھی قید خانے کی زندگی سے آزاد کیا جائے۔

مہلب نے جواب دیا۔اس کے متعلق بعد میں دیکھا جائے گا۔

ایک سپاہی نے اندر آکر اطلاع دی کہ قاسم آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

مہلب نے حیران ہوکر سوال کیا۔قاسم؟ بلاؤ اُسے!

قاسم نے آتے ہی شکایت کی کہ وہ اسے دیر سے ڈھونڈ رہا ہے۔

مہلب نے سوال کیا۔تمہیں میرے یہاں آنے کی کس نے خبر دی؟ مجھے آپ کی قیام گاہ سے پتہ چلا کہ آپ ناظم کے ساتھ گئے ہیں۔ناظم کے گھر سے اس جگہ کا پتہ ملا۔میں آپ سے تنہائی میں دو باتیں کرنا چاہتا ہوں۔

مہلب نے ناظم اور دوراغہ کو اشارہ کیا اور وہ اُٹھ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے۔قاسم کُرسی پر بیٹھ گیا۔

ملب نے سوال کیا۔آپ پریشان معلوم ہوتے ہیں۔کہیے خیریت تو ہے؟

میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔

پوچھئیے!

مجھے ابا جان سے معلوم ہوا کہ آپ طاہر کو فرار ہونے کا موقع دینا چاہتے ہیں۔

یہ دُرست ہے لیکن یہ بات آپ کسی کو نہ بتائیے۔

میں بحیثیت ایک دوست کے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا واقعی یہ درست ہے؟

یہ بالکل دُرست ہے لیکن اگر آپ کو یہ بات پسند نہ ہو تو فیصلہ تبدیل کیا جا سکتا ہے!

"نہیں۔نہیں۔قاسم نے جواب دیا۔ بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ یہ فیصلہ تبدیل نہ کریں۔

مہلب نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔آپ اپنے ضمیر پر کوئی بوجھ محسوس کر رہے ہیں؟

قاسم نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔میرے پاس بوجھ محسوس کرنے والا ضمیر نہیں۔

میں ایسے ضمیر کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن یہ تو بتائیے کہ آپ ایسے خطرناک آدمی کو آزاد کیوں کرانا چاہتے ہیں؟وہ آزاد ہو کر بھی میرا اور آپ کا دُشمن رہے گا۔

تو اس کا مطلب ہے کہ آپ اُسے۔۔۔۔۔؟

آپ گھبرائیے نہیں۔اگر آپ کی خواہش یہ ہے کہ وہ آزاد ہو تو میں اپنی خواہش کے خلاف بھی اسے بھاگ جانے کا موقع دوں گا۔

قاسم نے کچھ کر کہا۔میں آپ کو ایک اور تکلیف دوں گا۔

اگر میں اپنے دوست کے لے کچھ کر سکوں تو مجھے راحت ہو گی۔

میری کوئی بات آپ سے پوشیدہ نہیں ۔آپ جانتے ہیں کہ میری صفیہ کے ساتھ شادی ہونے والی ہے ۔طاہر کو ہم نے اس کے سامنے گرفتار کیا تھا۔اسے طاہر کے ساتھ صرف اس لیے دلچسپی تھی کہ وہ اسلام کا بہت بڑا خادم ہے ۔اب وہ مجھ سے بدظن ہو چکی ہے ۔اگر آپ میری مدد کریں تو ہم اسے یقین دلا سکتے ہیں کہ طاہر کو آزاد کرانے میں میری کوششوں کو بھی دخل تھا اور آپ نے میری دوستی کی وجہ سے خلیفہ کے سامنے یہ تجویز پیش کی تھی ۔شاید اسے میرے کہنے پر یقین آجائے ۔

مہلب نے کہا۔اتنی سے بات؟ میں سمجھتا تھا کہ آپ مجھے کسی بڑے کام لے لیے کہیں گے ۔کل صبح میرا پہلا کام یہی ہوگا لیکن یہی بہتر ہوگا کہ میں اس کے ساتھ باتیں کرنے کی بجائے آپ کے ساتھ کسی ایسی جگہ باتیں کروں جہاں وہ سُن سکے ۔

قاسم نے جواب دیا۔اس کا انتظام ہو جائے گا۔اس پر صرف یہ ظاہر ہونا کافی ہے کہ میں آپ کے ساتھ باتیں کر رہا ہوں ۔وہ یقیناً سُننے کے لیے آئے گی ۔

مہلب نے ہنستے ہوئے کہا ۔آئندہ سیاسی زندگی میں آپ کے لیے ایسی ہوشیار بیوی بہت بڑی معاون ثابت ہو گی ۔میں آپ کے سر پر سپہ سالار کی دستار رکھ رہا ہوں ۔

شکریہ!اور آپ کے متعلق میرا دل یہ گواہی دیتا ہے کہ والد کے بعد بغداد کے وزارتِ عظمیٰ کا قلم دان آپ کے ہاتھ میں ہوگا۔

لیکن مجھے آپ کے متعلق خدشہ ہے کہ آپ بیک وقت دونوں عہدے سنبھالنے کی کوشش کریں گے ۔

اور آپ کے متعلق مجھے یہ خدشہ ہے کہ آپ خلیفہ کا تاج چھیننے سے بھی دریغ نہ کریں گے ۔

مہلب نے ہنستے ہوئے سنجیدہ ہو کر کہا۔ لیکن تم جانتے ہو کہ میں خلیفہ کا وفادار ہوں۔

قاسم نے اُٹھ کر کہا۔ میں مذاق کر رہا تھا۔ اچھا میں جاتا ہوں۔ آپ صبح آنے کا وعدہ یاد رکھیے۔

میں ضرور آؤں گا۔



قُدرت کا ہاتھ

طاہر مغرب کی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگ رہا تھا کہ پہرے دار آئے اور اس کی کوٹھڑی کے اندر کھانا رکھ کر چلے گئے۔گزشتہ دو دن سے اس کی طبعیت ناساز تھی، اس لیے دُعا سے فارغ ہونے کے بعد بھی اس نے کھانے کی طرف توجہ نہ دی۔تھوڑی دیر کوٹھڑی میں ٹہلنے کے بعد وہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔پھر کچھ سوچ کر اُٹھا اور کوٹھڑی کے دوسرے حصے میں جا کر وحید الدین کو آواز دی۔آج آپ نہیں آئیں گے۔

میں ابھی آتا ہوں۔اس نے جواب دیا۔

طاہر کچھ دیر اس کے انتظار میں ٹہلتا رہا پھر عشاء کی نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔وحید الدین نے اس کے کمرے میں داخل ہو کر سوال کیا۔تمہاری طبعیت اب کیسی ہے؟

طاہر کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر اس نے قریب آ کر کہا۔تم نماز پڑھ رہے ہو!

وہ تھوڑی دیر اس کے قریب بیٹھا رہا پھر اچانک بولا۔تمہارے کمرے سے پنیر کی بُو آ رہی ہے۔

طاہر سُنت کی رکعتیں پوری کرنے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے پھر زور زور سے سُونگھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔میں حیران ہوں کہ مجھے آج پنیر کی بُو آ رہی ہے؟

طاہر نے جواب دیا۔میری قوتِ شامہ تو آج کام نہیں کرتی۔دروازے کے سامنے میرا کھانا پڑا ہے۔اگر اس میں پنیر ہے تو آپ کھا سکتے ہیں

وحیدالدین نے دوبارہ زور سے سونگھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ گوشت بھی ہے۔ میں جب سے یہاں آیا ہوں مجھے ان کمبختوں نے صرف دو عیدوں پر گوشت بھیجا ہے۔ پنیر کا تو میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا۔ میری بات پر یقین کرو۔ پہرے داروں میں تمہارا کوئی نہ کوئی عقیدت مند ضرور ہے۔ میں گوشت اور پنیر کا خواہشمند نہیں لیکن ایسے موقعوں پر دوستوں کو ضرور یاد رکھنا چاہیے۔ اُف! تم نماز پڑھ رہے ہو!

طاہر نے نماز فرض پوری کی اور کہا۔ آپ وہ کھانا اُٹھا کیوں نہیں لیتے۔ اگر اس میں پنیر ہے تو وہ سارا آپ کا، اگر گوشت ہے تو آدھا آپ کا لیکن اگر صرف سُوکھی روتی ہے تو ساری آپ کو کھانا پڑے گی۔

خدا کی قسم میری قوت شامہ مجھے دھوکا نہیں دیتی۔ یہ کہہ کر وہ اٹھا اور برتن اٹھا کر طاہر کے قریب آ بیٹھا۔ خدا تمہارے عقیدت مند کو جزائے خیر دے۔ گوشت بھی ہے اور پنیر بھی۔ ارے روٹی بھی روغنی ہے۔

طاہر نے کہا۔ میرا انتظار نہ کیجئے۔ میں نماز ختم کر کے آپ کے ساتھ شریک ہو جاؤں گا۔

بے شک اطمینان سے پڑھو۔ کھانا ہم دونوں کی ضرورت سے زیادہ ہے۔ میں پنیر سے شروع کرتا ہوں لیکن تمہارا حصہ رکھ لوں گا۔ وہ نوالہ چباتے ہوئے اپنے آپ سے کہہ رہا تھا۔ یہ کسی فیاض آدمی کا کام ہے۔ خدا کی قسم اگر میں رہا ہو کر وزیر اعظم بن جاؤں تو بغداد کے تمام فیاض آدمیوں کو قید خانے کے سپاہی بھرتی کر لوں اور یہ حکم دوں کہ بے گناہ قیدیوں کو دونوں وقت گوشت اور پنیر کھانے کو دیا جائے۔ نہیں بلکہ دودھ، شہد اور پھل بھی۔ میں سرکاری باغات کے تمام پھل قیدیوں

کے لیے وقف کردوں گا۔

طاہر نے نماز ختم کر کے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو وحید الدین کے جبڑوں کی آواز سے بہت ناگوار محسوس ہو رہی تھی۔ اچانک یہ چپاچپ کی آواز بند ہو گئی اور چند لمحات کے بعد طاہر کا ساتھی چلایا۔ طاہر! طاہر! اس کھانے کو ہاتھ نہ لگانا۔ زہر! زہر!!

طاہر نے دہشت زدہ ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ زمین پر نیم بسمل سا ہو کر تڑپ رہا تھا۔ میرے دوست خدا حافظ!

وحید الدین نے محسوس کیا کہ کوئی اپنے طاقتور ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹ رہا ہے۔ چند بار کروٹیں بدلنے کے بعد اس نے ہاتھوں کا سہارا لے کر سر اوپر اُٹھایا اور پھر فرش پر پٹخ دیا۔ طاہر نے اس بازور سے سنبھال کر اس کا سر اپنی آغوش میں لے لیا۔ اچانک اس کے جسم کے تمام پٹھے تن گئے اور وہ آخری ہچکی لینے کے بعد ٹھنڈا ہو گیا۔

طاہر کی حالت اس شخص کی سی تھی جسے اچانک فالج نے آدبایا ہو۔ وہ اپنی زندگی میں کبھی اس قدر خوف زدہ نہیں ہوا تھا۔ چند لمحات وہ وحید الدین کا سر اپنی گود میں بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ آہستہ آہستہ اس کے دل کی دھڑکن واپس آنے لگی۔ خوف سے پتھرائی ہوئی آنکھیں گردوپیش کا جائزہ لینے لگیں۔ ہاتھوں میں حرکت پیدا ہوئی۔ وہ وحید الدین کو ٹٹول رہا تھا۔ اُسے بُلا رہا تھا۔ یہ مر چکا ہے۔ اس کے دل نے آواز دی۔ نہیں تُو مر چکا ہے۔ یہ کھانا تیرے لیے آیا تھا اور اب۔

ایک خیال بجلی کی سی تیزی سے اس کے دماغ میں آیا۔ اس کی سانس تیز ہونے لگی۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اس کے کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ دروازے سے باہر چند آدمیوں کے سیڑھیوں سے

اترنے کی آہٹ سنائی دی اور ایک آن میں اس کی تمام کھوئی ہوئی قوتیں واپس آ گئیں۔

اس نے وحیدالدین کی لاش اٹھائی اور کوٹھری کے دوسرے حصے میں جا کر سوراخ کے اندر دھکیل کر پتھر کی سلیں اُوپر رکھ دیں۔ پاؤں کی آہٹ قریب آ رہی تھی۔ وہ جلدی سے کھانے کے برتنوں کے قریب پہنچ کر منہ کے بل لیٹ گیا۔ آدمی دروازے پر کھڑے تھوڑی دیر باتیں کرتے رہے پھر کسی نے زور زور سے دروازہ کھٹ کھٹایا اور تھوڑے وقفے کے بعد قفل میں چابی ڈالنے کی آہٹ سُنائی دی۔ پھر دروازے کی زنجیر کے کھٹ سے گرنے کی آواز آئی۔ دروازے کی چڑ چڑ اہٹ سُن کر طاہر نے آنکھیں بند کر لیں اور دم سادھ لیا۔

مہلب، داروغہ اور ناظم شہر پانچ سپاہیوں کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ ایک سپاہی کے ہاتھ میں مشعل تھی۔

طاہر کے جسم کو ٹھوکر مارنے کے بعد مہلب نے کہا۔ دیکھا! تم کہتے تھے کہ ذرا اور انتظار کر لیں۔ اس زہر کا ایک قطرہ ہاتھی کو مار دینے کے لیے کافی تھا۔ ذرا مشعل نیچے کرو۔ میں دیکھوں اس نے کیا کھایا ہے۔ سپاہی نے مشعل نیچے کی اور مہلب نے کہا۔ دیکھا ئیں میں نے کہا تھا کہ یہ بدو سب سے پہلے پنیر سے شروع ہو گا لیکن یہ آدھے سے زیادہ چٹ کر گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ چبائے بغیر نگل گیا ورنہ اس کا ایک ہی لُقمہ کافی تھا۔ یہ باقی پنیر اُٹھا لو۔ کل وحیدالدین کی دعوت ہو گی۔ آؤ میرا یہاں دم گھٹتا ہے۔ اب اسے سنبھالنا سپاہوں کا کام ہے۔ دیکھو لاش کے ساتھ پتھر ضرور باندھ لینا۔ لیکن وہ اتنا بھاری نہ ہو کہ وہیں ڈوب جائے اور کل ماہی گیر اسے دکھاتے پھریں۔ پتھر صرف اتنا ہو کہ لاش پانی کی سطح پر ظاہر نہ ہو لیکن بہتی ضرور رہے۔

داروغہ نے کہا۔آپ فکر نہ کیجئے۔یہ اس قسم کی بیس لاشیں ٹھکانے لگا چکے ہیں ۔یہ میرے خاص آدمی ہیں۔

مہلب نے سونے کے چند سکے نکال کر سپاہیوں میں بانٹتے ہوئے کہا۔یہ تمھارا انعام ہے۔

مہلب،ناظم اور داروغہ چلے گئے۔سپاہیوں نے طاہر کو گھسیٹ کر باہر نکالا اور کندھوں پر لاد کر چل دیے۔دریا کے کنارے پہنچ کر اُنہوں نے اسے کشتی میں پھینک دیا۔طاہر کی کمر میں سخت چوٹ آئی لیکن اس کے منہ سے کوئی آواز نہ نکلی۔

تین سپاہی واپس چلے گئے اور دو سپاہی کشتی کو پانی میں دھکیل کر اس پر سوار ہو گئے۔

ایک سپاہی نے کہا۔تم اس کی کمر کے ساتھ پتھر باندھو اور چپو سنبھالتا ہوں۔

تم سب بُرے کام مجھ سے کرواتے ہو!

اب اس کے ساتھ اور بُرائی کیا ہو سکتی ہے؟ آج تم یہ کام کرو۔کل میں کروں گا

۔

کل بھی دو دو اشرفیاں مل جائیں گی۔خدا کرے وزیر خارجہ چند اور آدمیوں پر بھی اپنے زہر کی آزمائش کرے لیکن دوست! اس کام سے وزیر ناظم اور دوراغہ نے جو کچھ حاصل کیا ہوگا اس کا ہزارواں حصہ بھی ہمیں نہیں ملا۔

کشتی پر تمام ضروری چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔سپاہی نے طاہر کی کمر میں رسی ڈال کر اس کے ساتھ ایک پتھر باندھ دیا۔منجدھار میں پہنچ کر دونوں نے طاہر کو ہاتھ اور پاؤں سے پکڑا اور آہستہ سے پانی میں ڈال دیا۔

طاہر کچھ درے دم روکے پانی کے ساتھ بہتا رہا۔بالآخر اس نے اوپر آنے کی کوشش کی۔کمر کے ساتھ پتھر پہلے ہیکافی کس کر بندھا ہوا تھا اور بھیگ جانے سے

رسی کی گرہ اور زیادہ سخت ہو گئی تھی۔تاہم اس نے محسوس کیا کہ وہ پھتر کا بوجھ اُٹھا کر تیر سکتا ہے۔جب تک کشتی کافی دور نہ چلی گئی۔وہ صرف سانس لینے کے لیے سر اوپر نکال کر تیرتا رہا۔اس نے چند بار اپنی کمر کے بوجھ سے چُھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن اسے کامیابی کی بجائے چند غوطے آ گئے۔کپڑوں میں پانی رچ جانے کے باعث اس نے محسوس کیا کہ اتنا بوجھ لے کر کنارے تک پہنچنا آسان نہیں۔اس کا رُخ دوسرے کنارے کی طرف تھا لیکن تیز رفتار اور سرد پانی اسے کنارے کی طرف ایک گز بڑھنے کے بدلے کئی کئی گز بہار کے ساتھ نیچے جانا پڑا۔اس کی سانس پھول رہی تھی اور اسکے اعظا شل ہو رہے تھے لیکن قدرت کی اعانت پر ایک متزلزل نہ ہونے والے یقین نے اس کی حوصلہ پست نہ ہونے دیا۔

(۲)

رات کے وقت سونے سے پہلے سکینہ کچھ دیر صفیہ کے پاس بیٹھی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی۔صفیہ بے توجہی سے کبھی کبھی کسی بات کا جواب دیتی اور پھر خاموش ہو جاتی۔

جاؤ سکینہ سو جاؤ۔صفیہ یہ کہتی ہوئی بستر پر لیٹ گئی۔سکینہ اُٹھ کر آہستہ آہستہ برابر والے کمرے کی طرف بڑھی۔دروازے کا پردہ اُٹھایا لیکن کچھ سوچ کر صفیہ کی طرف دیکھنے لگی۔

صفیہ!اس نے جھکتے ہوئے کہا۔میں تمہیں ایک چیز دکھانا چاہتی ہوں۔

وہ کیا؟

ابھی لاتی ہوں!

سکینہ اپنے کمرے سے چاندی کا ایک چھوٹا سا ڈبہ اُٹھا لائی اور کُرسی کھسکا کر

صفیہ کے بستر کے قریب بیٹھ گئی۔

بھلا اس میں کیا ہے؟ سکینہ نے معصومیت سے سوال کیا۔

مجھے کیا معلوم!

دیکھو تو سہی۔ سکینہ نے ڈبہ کھول کر اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیا۔ صفیہ نے بے پروائی سے گردن اوپر اٹھائی اور ایک نظر ڈالنے کے بعد پھر اپنا سر تکیے پر رکھ دیا۔

سکینہ نے ڈبے سے چمکتے ہوئے موتیوں کا ہار نکال کر اسے دکھاتے ہوئے کہا۔ یہ لو، میں نے آج ہی منگوایا ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ تمہیں شادی کے موقع پر یہ تحفہ پیش کروں گی لیکن میں اتنے دن انتظار نہیں کر سکتی۔ تم اسے اپنے پاس رکھو۔ جوہری کہتا تھا کہ اس سے بڑے موتی سارے بغداد میں نہیں۔ میں نے اسے ایک ہیرے کی انگوٹھی لانے کے لیے بھی کہا ہے وہ کہتا تھا کہ بغداد میں اس جیسا ہیرا کسی کے پاس نہیں ہو گا۔ لو صفیہ یہ ہار مجھے پہن کر دکھاؤ۔

صفیہ بے حس و حرکت موتیوں کے ہار کی طرف دیکھ رہی تھی۔ سکینہ نے اُسے بازو سے کھینچ کر اُوپر اٹھایا اور اس کی مزاحمت کے باوجود اس کے گلے میں ہار ڈال دیا۔

صفیہ ہار اُتارنے کی کوشش کر رہی تھی اور سکینہ اسے روک رہی تھی اس زور آزمائی میں ہار کی لڑی پر دونوں کی گرفت مضبوط ہوتی گئی۔

سکینہ کہہ رہی تھی۔ خدا کے لیے اسے مت اتارو۔ یہ بدشگونی ہے۔

نہیں مجھے تمہارے موتیوں اور تمہارے ہیروں سے نفرت ہے۔

مجھے اس محل سے نفرت ہے۔ مجھے اپنی زندگی سے نفرت ہے۔ سکینہ! سکینہ! مجھے تنگ نہ کرو!

اس کش مکش میں ہار ٹوٹ گیا۔ کچھ موتی بستر اور کچھ فرش پر بکھر گئے۔ سکینہ نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ تم بہت ظالم ہو!

صفیہ نے قدرے نرم ہو کر کہا۔ سکینہ مجھے معاف کر دو۔ میں صبح ان موتیوں کو اپنے ہاتھوں سے پرو کر پہن لوں گی۔ لیکن صرف تمھارے لیے کسی اور کے لیے نہیں

۔

لیکن تم نے قاسم کے ساتھ شادی کا وعدہ نہیں کیا؟ تم نے کھانا کھاتے وقت امی جان کے سامنے رضامندی کا اظہار نہیں کیا؟ میں جانتی ہوں تم صرف مجھے رُلانا چاہتی ہو۔

سکینہ! میرا مطلب یہ تھا کہ اگر میں زندہ رہی تو قاسم کے ساتھ شادی کر لوں گی

۔

پگلی۔ لوگ جیسے مر کر شادی کیا کرتے ہیں۔

لیکن سکینہ! شادی سے پہلے اگر مجھے موت آ جائے تو؟ بکو نہیں۔ تم اسی سال تک جیو گی۔

سکینہ نے موتی چُن کر ڈبے میں ڈالتے ہوئے کہا۔ میں صبح خود انہیں پرو کر تمہارے گلے میں ڈالوں گی۔ قاسم۔ امی اور ابا کے سامنے نہیں بلکہ تمام سہیلیوں کے سامنے۔

سکینہ اپنے کمرے میں جا کر سو گئی۔ صفیہ کچھ دیر بستر پر لیٹ کر چھت کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کتاب اٹھا کر پڑھنے کی کوشش کی لیکن چند ورق اُلٹنے کے بعد کتاب ایک طرف رکھ دی اور شمع بُجھا کر سونے کی کوشش کی لیکن اسے نیند نہ آئی۔ چند کروٹیں بدلنے کے بعد وہ اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔ ٹہلتے ٹہلتے کُرسی پر بیٹھ گئی۔

پھر اُٹھ کر دوروازہ کھولا اور دبے پاؤں باہر نکل آئی۔

برآمدوں سے گزرتی ہوئی محل کے دوسرے سرے دریا کے کنارے جا پہنچی۔ راستے میں اُسے خیال آیا کہ وہ ننگے پاؤں ہے لیکن اس نے پرواہ نہ کی۔

وہ کچھ دیر کونے کے کمرے کے سامنے بلند چبوترے پر کھڑی چاند کی روشنی میں دریا کا منظر دیکھتی رہی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ سیڑھیوں پر پاؤں رکھتی نیچے اُتری اور آخری سیڑھی پر جو پانی کی سطح سے ایک بالشت اُوپر تھی۔ بیٹھ گئی۔ قاسم اسے یہ خوش خبری دے چکا تھا کہ طاہر آج رات آزاد ہو جائے گا اور شاید آزاد ہوتے ہی بغداد سے نکل جائے۔ اسے جس قدر اس کے آزاد ہونے کی خوشی تھی، اُسی قدر اس بات کا غم تھا کہ باقی تمام زندگی بغداد کا پُر رونق شہر اسے سُونا نظر آئے گا۔ اس کی زندگی کی مسکراہٹیں ہمیشہ کے لیے چھن جائیں گی۔ کاش وہ آزاد ہو کر یہاں رہ سکتا۔ کاش! وہ اس کے ساتھ جا سکتی۔ چند قدم کے فاصلے پر ایک مچھلی اُچھلی اور پھر پانی میں غائب ہو گئی۔ صفیہ نے اپنے دل میں کہا۔ مجھ میں اور اس مچھلی میں کوئی فرق نہیں۔ یہ آسمان کو ایک بڑا سمندر سمجھ کر ایک ہی جست میں وہاں پہنچ جانا چاہتی ہے۔ اپنے چھوٹے چھوٹے پر دیکھ کر اسے یہ خیال گزرتا ہے کہ شاید میں اُڑ سکتی ہوں لیکن یہ پانی کی سطح سے اوپر ایک نگاہ سے دیکھ بھی نہیں سکتی۔ اسے کیا معلوم کہ اس کی پر صرف تیرنے کے لیے ہیں۔ اُڑنے کے لیے نہیں۔ یہ پانی کی گہرائی میں غوطہ لگا کر نچلی سطح کی کیچڑ تک پہنچ سکتی ہے نیلگوں فضا میں پرواز نہیں کر سکتی۔ صفیہ یہ محل تیرے لیے ایک جھیل ہے۔ تو نے اس کے گدلے اور بدبُودار پانی کی سطح پر تیرتے ہوئے آسمان کی بُلندیوں پر اُڑنے والا ایک آزاد پرندہ دیکھا۔ تُو نے پانی سے اُچھل کر اس کا ساتھ دینا چاہا لیکن تیرے پاس اُڑنے کے لیے پر نہ تھے۔ تیرے ساتھی آسمان سے

سرگوشیاں کرنے والے عقاب نہیں ۔اس کے بدبُو دار اور گدلے پانی میں رہنے والے کچھوے ہیں ۔لیکن نہیں،تو جھیل میں پیدا ہونے کے باوجود بھی شاید اس عقاب کا ساتھ دے سکتی لیکن شکاریوں نے اسے پکڑ کر ایک پنجرے میں بند کر دیا اور ایک کچھوے نے آ کر تجھ سے یہ کہا کہ اگر تو اس کیچڑ میں میرے ساتھ رہنا پسند کرے تو اس عقاب کو پنجرے سے نکال دوں گا۔تُو نے اس عقاب کو آزاد کروانے کے لیے یہ وعدہ کر لیا۔تو نے بہت اچھا کیا لیکن کیا تو اس قابلِ نفرت کچھوے کے ساتھ کیچڑ میں رہ سکے گی؟ تجھے صرف موت اس کش مکش سے نجات دلا سکتی ہے۔خود کشی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔نہیں نہیں یہ بُزدلی ہے۔یہ خدا کی رحمت سے انکار ہے۔ یہ انسانیت کی توہین ہے۔اس نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا اور ہاتھ پھیلا کر بلند آواز میں کہا۔میرے اللہ! مجھے ہمت دے،مجھے صبر دے ۔ایک بے کس عورت جس کا دنیا میں کوئی نہیں۔آج تیری رحمت کا سہارا لیتی ہے۔

(۳)

وہ اٹھنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ اسے اپنے قریب پانی میں ہلکا سا شور سُنائی دیا اس نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔سیڑھی سے چند قدم کے فاصلے پر کوئی پانی میں آہستہ آہستہ ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔خوف سے اس کا دل دھڑکنے لگا اور وہ چند سیڑھیاں اوپر چڑھ کر کھڑی ہو گئی۔ایک آدمی پانی میں ڈوب ڈوب کر اُبھرنے کی کوشش کر رہا تھا۔صفیہ نے محسوس کیا کہ اس کی طاقت جواب دے چکی ہے۔چند گز نیچے جانے کے بعد وہ سیڑھی کے قریب پہنچ گیا۔اس نے دونوں بازو سیڑھی پر پھیلا کر اپنا سر ٹیک دیا لیکن خوف پر ہمدردی غالب آ گئی۔وہ ڈرتے ڈرتے نیچے اتری۔

تم کون ہو؟ اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

اس نے جنبش تک نہ کی۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔صفیہ ذرا اور جرات کر کے آگے بڑھی اور اس سے دو سیڑھیاں اوپر کھڑی ہو کر بولی۔ میں پوچھتی ہوں تم کون ہو اور اس وقت یہاں کیوں آئے؟

اس نے سر اوپر اٹھا کر اور ایک نظر صفیہ کو دیکھنے کے بعد پھر نیچے ڈال دیا۔

ایک ثانیے کے لیے صفیہ کے پاؤں زمین سے پیوست ہو کر رہ گئے۔اس نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔طاہر!۔۔۔۔۔۔طاہر! آپ۔۔۔۔۔۔۔اس حال میں؟

اس نے دوبارہ گردن اٹھائی۔کون صفیہ؟

صفیہ نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا اور اوپر کھینچنے لگی۔طاہر سیڑھی پر چڑھ کر لیٹ گیا۔صفیہ نے اس کی کمر کے ساتھ بندھی ہوئی پتھر کی سل دیکھ کر کہا ظالم دغا باز، کمینہ!

کون؟۔۔۔۔۔۔میں؟ طاہر نے ذرا گردن اٹھا کر سوال کیا۔

نہیں۔نہیں میں قاسم کے متعلق کہہ رہی ہوں۔ اس نے آپ کو قید سے چھڑانے کا وعدہ کیا تھا۔طاہر نے اُٹھ کر اپنا سر ہاتھوں میں دباتے ہوئے کہا۔یہ تمہارا محل ہے۔

جی ہاں۔

بہت دُور آ گیا میں۔ یہ پتھر مجھے بری طرح دوسری دنیا کی طرف دھکیل رہا تھا۔مجھ سے غلطی ہوئی۔مجھے ان دو آدمیوں سے کشتی پر ہی نپٹ لینا چاہیے تھا!

صفیہ نے کہا۔یہاں خطرہ ہے۔اُٹھیے میرے ساتھ آئیے! طاہر لڑکھڑاتا ہوا صفیہ کے ساتھ چل دیا۔دونوں کنارے سے چند قدم کے فاصلے پر ایک گھنے درخت

کے نیچے جا کھڑے ہوئے۔

صفیہ نے پوچھا۔آپ زخمی تو نہیں؟

نہیں لیکن تھکاوٹ سے چُور ہو چکا ہوں۔میں نے قید خانے کے قریب سے اس پتھر کے ساتھ تیرنا شروع کیا تھا۔آپ یہاں کیا کر رہی تھیں؟

کچھ نہیں۔لائیے میں یہ پتھر کھول دوں۔زندہ آدمی کو پتھر باندھ کر دریا میں پھینکنے والا قاسم کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔

میں نے قاسم کو نہیں دیکھا اور مجھے دریا میں پھینکنے والوں کو یقین تھا کہ میں مر چکا ہوں۔

وہ کیسے؟

میں ابھی آپ کو بتاتا ہوں لیکن مجھے یہ بتائیے کہ اس نئے قید خانے سے نکلنے کا کون سا راستہ ہے؟

ادھر دیکھیے۔وہ کشتیاں کھڑی ہیں۔آپ کشتی چلا سکتے ہیں نا؟ ورنہ محل میں ایک نوکر ہے جسے میں آپ کے ساتھ بھیج سکتی ہوں۔

نہیں میں کشتی چلانا جانتا ہوں۔اس دن میری طرح آپ کو وہ نوکر گرفتار تو نہیں ہو گیا تھا؟

نہیں۔میں نے اسے بھگا دیا تھا۔آپ کے باقی دوستوں میں سے بھی کوئی گرفتار نہیں ہوا۔مجھے ڈر تھا کہ آپ مجھ سے بدظن ہو گئے ہوں گے۔قاسم نے آپ کو ستانے کے لیے مجھ سے کہا تھا۔بات یہ تھی کہ قاسم نے وہ رُقعہ لونڈی سے چھین کر پڑھ لیا تھا۔

طاہر نے کہا۔آپ کو صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔میں قاسم کو اچھی

طرح جانتا ہوں اور آپ کی تسلی کے لیے یہ کہہ دینا کافی سمجھتا ہوں کہ میں آپ کو بغداد کی تمام خواتین سے زیادہ قابلِ احترام سمجھتا ہوں۔آپ کسی سے اس ملاقات کا ذکر نہ کریں۔میرے دُشمن آج سے یہ سمجھیں گے کہ میں مر چکا ہوں۔ممکن ہے کہ مجھے پھر بغداد آنا پڑے۔مجھے قید خانے میں انہوں نے زہر دے کر ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میری بجائے وہ کھانا ایک اور شخص نے کھالیا۔وہ میرے ساتھ والی کوٹھڑی میں بند تھا۔ہم تنگ سُرنگ کے راستے ایک دوسرے کے پاس آجا سکتے تھے۔رات کے وقت وہ میرے کمرے میں آیا۔میرا کھانا پڑا ہوا تھا۔اس نے زہر آلود پنیر کھالیا اور مر گیا۔میں اسے سُرنگ میں دھکیل کر اُوپر سلیں رکھ آیا ہوں۔اس کے بعد میں دم سادہ کر لیٹ گیا۔اور انہوں نے مجھے مُردہ سمجھ کر دریا میں پھینک دیا۔مجھے زہر دینے کی سازش میں شہر کا ناظم،قید خانے کا داروغہ اور مہلب بن داؤد شریک تھے۔قاسم کے متعلق مجھے علم نہیں۔

ایسی ناپاک سازش قاسم کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔شام سے تھوڑی دیر بعد اس نے باہر جاتے ہوئے مجھے بتایا کہ مہلب اور ناظم شہر اس کے ساتھ آپ کو آزاد کرنے کا وعدہ کر چکے ہیں وہ ابھی تک شاید واپس نہیں آیا۔

طاہر نے کہا۔قاسم کا اس سازش میں شریک ہونا میں بعید از قیاس نہیں سمجھتا۔اب آپ کے ذمے ایک اکم ہے اور وہ یہ کہ آپ اپنے چچا کو ان حالات سے باخبر کر دیں۔

آپ کا مطلب ہے کہ میں انہیں آپ کے متعلق بتا دوں؟

نہیں،میرے متعلق کچھ نہ بتایئے۔انہیں صرف یہ بتا دیجئے کہ مہلب کے دیے ہوئے زہر سے وحیدالدین سابق وزیر خارجہ ہلاک ہو چکا ہے اور وہ چھپا ہوا

نہیں تھا بلکہ مہلب نے اسے قید کر رکھا تھا۔ چنگیز خان کو پیغام بھجوانے کی سازش مہلب نے کی تھی اور اب سازش کے انکشاف کے خوف سے اس نے دو بے گناہوں کی جان لی ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وحید الدین کی لاش اس سرنگ میں پڑی ہوئی ہے۔ اپنے چچا کو مجبور کریں کہ وہ صُبح ہوتے ہی قید خانے کی ان کوٹھڑیوں کا معائنہ کریں ورنہ کل رات اسے بھی میری طرح دریا میں پھینک دیا جائے گا۔ تمہارے چچا ان باتوں پر اعتبار کرنے سے پہلے تم سے یہ پوچھیں گے کہ تمہیں ان واقعات کا علم کیسے ہوا؟ تم اس کا یہ جواب دے سکتی ہو کہ قید خانے کے ایک سپاہی نے یہ واقعات میرے کسی دوست کو بتائے ہیں اور اس نے تمہارے نوکر سعید کو آدھی رات کے وقت تمہارے پاس بھیجا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ان واقعات کی چھان بین کرنے کی بجائے فوراً قید خانے کی طرف متوجہ ہوں گے۔

صفیہ نے کہا۔ میں اس کا بندوبست کر لوں گی۔ میں علی الصباح گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں جاؤں گی اور وہاں سے فوراً واپس آ کر چچا کو یہ سب کچھ بتا دوں گی۔ اگر وہ پوچھیں گے تو میں کہوں گی کہ میدان میں مجھے ایک اجنبی نے یہ تمام واقعات بتائے ہیں اور مجھ سے درخواست کی ہے کہ فوراً آپ کو باخبر کر دوں۔

اس کے بعد مجھے یقین ہے کہ خلیفہ کی حمایت کے باوجود مہلب کے بغداد رہنا ناممکن ہو جائے گا۔ آپ اپنے چچا کو مشورہ دیں کہ وہ داروغہ یا ناظم کو دھمکی دیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اصلی مجرم کو ظاہر کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ لیکن اس سے پیشتر وہ وحید الدین کی لاش ضرور برآمد کر لیں۔ میں اب جاتا ہوں۔ شاید کل رات میں ترکستان روانہ ہو جاؤں گا۔ آپ نے وہاں کی کوئی خبر سُنی ہے۔

ہاں۔ بہت بُری خبریں۔ تاتاری بخارا اور سمرقند کے علاوہ شمال کے کئی اور شہر

فتح کر چکے ہیں اور اب ان کی افواج جنوب اور مشرق کے شہروں کی طرف بڑھ رہی ہیں۔

بلخ کے متعلق کوئی خبر سُنی؟

بلخ پر حملہ ہونے والا ہے!

بہت اچھا میں جاتا ہوں۔

صفیہ نے اس کا راستہ روکتے ہوئے کہا۔ میں ایک بار ٹھکرائی ہوئی درخواست دوبارہ دوہرانا چاہتی لیکن جیتے جی انسان کے ہاتھ اُمید کے دامن سے جدا نہیں ہوتے۔ میں یہاں نہیں رہنا چاہتی۔ مجھے یہاں سے لے چلیے۔ اگر اپنے ساتھ نہیں تو مجھے مدینے بھیج دیجئے۔ میں وہاں آپ کا انتظار کروں گی!

نہیں نہیں۔ یہ موضوع نہ چھیڑو!

لیکن کیوں؟ آپ مجھے اس قدر قابلِ نفرت کیوں سمجھتے ہیں؟

میں آپ کو قابلِ نفرت نہیں سمجھتا بلکہ اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اپنی نظروں میں قابلِ نفرت نہ بن جاؤں۔

صفیہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن دو پہرے دار باتیں کرتے ہوئے برآمدے سے نکلے اور چبوترے پر کھڑے ہو گئے۔

ایک کہہ رہا تھا۔ قاسم رات ہوتے ہی کشتی پر دوسرے کنارے گیا تھا ابھی تک نہیں لوٹا۔

دوسرے نے کہا۔ بھئی شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ وہ کسی جوہری کی دکان لوٹنے گیا ہوگا۔

کس کی شادی؟

ارے قاسم کی۔

کس کے ساتھ؟

یہ تو ہمارے اصطبل کے سائیس بھی جانتے ہیں۔صفیہ کے ساتھ۔

بالکل بکواس۔صفیہ کے متعلق تو اس محل کے چمگادڑ بھی یہ جانتے ہیں کہ اسے قاسم کے ساتھ روزِ پیدائش سے نفرت چلی آتی ہے۔

لگاؤ شرط!

تم پہلے میرے ساتھ کئی شرطیں ہار چکے ہو۔پہلے پچھلی شرط کے چار دینار مجھے دے دو۔پھر نئی شرط لگاؤں گا۔

وہ میں تمہیں صبح ہوتے ہی دے دوں گا لیکن مزا جب ہے کہ تم میرے ساتھ بیس دینار کی شرط لگاؤ۔

منظور ہے۔لیکن ایسے نہیں،چلو صادق کے سامنے دونوں قسم کھاتے ہیں۔

چلو!

سپاہی چل دیے اور طاہر نے آہستہ سے پوچھا۔کیا یہ دُرست ہے؟

ہاں! قاسم نے آپ کو اس شرط پر قید سے آزاد کرنے کا ذمہ لیا تھا کہ میں اس کے ساتھ شادی کرنے کا وعدہ کروں اور مجھے آپ کے لیے یہ وعدہ کرنا پڑا۔اب اس انکشاف کے بعد اس وعدے سے آزاد ہوں گی لیکن اگر اس کے باوجود آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میری وجہ سے آپ اپنی نظروں میں قابلِ نفرت بن جائیں گے تو مجھے حکم دیجیے۔اس دنیا میں ذلت کا کوئی گڑھا ایسا نہیں جس میں میں آپ کا حکم سُن کر آنکھیں بند کرکے کودنے کے لیے تیار نہ ہو جاؤں۔اس محل میں رہتے ہوئے میرے لیے دو ہی راستے ہیں۔قاسم کے ساتھ شادی کرلوں یا اس دریا میں ڈوب جاؤں۔اگر میری

یہ قربانی عالمِ اسلام کے بے کس بہنوں کو کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے تو میں اس کے لئے تیار ہوں ۔لیکن خدا میرا گواہ ہے کہ میں صرف آپ کو چاہتی ہوں ۔اور جب تک زندہ رہوں گی آپ کو چاہتی رہوں گی ۔اگر یہ ایک جرم ہے تو میں مجرم ہون ۔اگر اس جرم کی سزا موت ہے تو خدا کے لیے اپنے ہاتھوں سے میرا گلا گھونٹ دیجئے ۔مجھے اس پتھر کے ساتھ باندھ کر دریا میں دھکیل دیجئے ۔میں آپ کو اپنا قاضی بناتی ہوں ۔ آپ سے اپنے متعلق فتوی پوچھتی ہوں اگر مفیں نے اس کیچڑ میں پلنے والے کیڑوں کی بجائے اپنی محبت کے لیے ایک انسان تلاش کرنے میں کوئی جُرم کیا ہے تو بتایئے میری سزا کیا ہے؟ آپ کہتے تھے کہ ترکستان کے میدان خطرناک ہیں لیکن کاش آپ کو یہ معلوم ہوتا کہ عورت جسے چاہتی ہے اس کے ساتھ تیروں کی بارش میں بھی خوش رہ سکتی ہے لیکن اس کے بغیر اسے سونے کے محل بھی قید خانہ معلوم ہوتے ہیں ۔

وہ رو رہی تھی ۔

طاہر یہ محسوس کر رہا تھا کہ دنیا کے تمام عناصر کی قوتِ تسخیر سمٹ کر اس لڑکی کے وجود میں آ گئی ہے ۔اس نے پہلی بار اس حسین چہرے کی طرف غور سے دیکھا جس میں ہزاروں بجلیاں تڑپ رہی تھیں ۔طاہر ضبط نہ کر سکا ۔

صفیہ! صفیہ!! کاش مجھے پہلے معلوم ہوتا ، مجرم تم نہیں میں ہوں ۔قراقرم جانے سے پہلے مجھے معلوم نہ تھا کہ تم مجھے اس حد تک قابلِ توجہ سمجھتی ہو لیکن اس سفر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ! طاہر یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا ۔

صفیہ جیسے گہرے پانی میں غوطہ لگا کر سانس لے رہی ہو ۔طاہر کے منہ سے اپنا نام سن کر وہ پھر امید کا چھوٹا ہوا دامن پکڑ رہی تھی ۔بتایئے اس سفر میں کیا ہوا؟